تذکرہ

علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمہ اللہ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تالیف

(مولانا) محمد عمران قاسمی بگیانوی

ایم۔ اے (علیگ)

ان ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا

تذکرہ امین علومِ قاسمیہ، تلمیذ شیخ الہند

جامع المعقول والمنقول، استاذ الاساتذہ

علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ

صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند

تالیف

(مولانا) محمد عمران قاسمی بگیانوی ایم، اے (علیگ)

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ
FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.
2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2
Phone : 23289786, 23289159 Fax : 23279998 Res. : 23262486
e_mail : farid@ndf.vsnl.net.in • farid_export@hotmail.com
Website: www.faridexport.com • www.faridbook.com

تصریحات

نام کتاب	تذکرہ علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ
مؤلف	مولانا محمد عمران قاسمی بگیانوی
صفحات	۱۸۲
باہتمام	الحاج محمد ناصر خاں
کتابت	عمران کمپیوٹرس مظفر نگر
	(PH: 0131-2442408)
سن اشاعت	مارچ 2003
قیمت	Rs.60/=

انتساب

ایشیاء کی عظیم اسلامی دینی درس گاہ

دارالعلوم دیوبند

کے نام

- جس نے نورِ نبوت کی کرنوں سے عالم اسلام کو منور کیا۔
- جس نے برصغیر میں لاکھوں انسانوں کے عقاید واعمال کی درستی واصلاح کا اہم فریضہ انجام دیا۔
- جس کا وجود ہدایت وفلاح کا ضامن ہے۔

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شرحِ آرزو

راقم الحروف کی یہ بڑی خوش نصیبی ہے کہ اس کو شروع ہی سے بزرگانِ دین سے عقیدت رہی ہے۔ اور یہ خدائے رب العالمین کا ایسا انعام ہے جس کے شکر کے لئے نہ زبان میں طاقت ہے اور نہ الفاظ کا ذخیرہ۔

یاد آتا ہے کہ مولانا سید فخر الحسن صاحب (صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند) میرے بچپن میں ہمارے گاؤں میں بکثرت آیا کرتے تھے، کئی باران کی تقریر سے قبل مسجد میں نعت و نظم پڑھنے کی سعادت مجھے ملی اور حضرت کی دعاء وشاباشی بھی۔

اپنی عمر کی پندرہویں منزل میں تھا اور کافیہ وغیرہ پڑھتا تھا کہ صد سالہ اجلاس (دارالعلوم دیوبند) ہوا، اپنے والد محترم (جناب چودھری محمد دین صاحب مرحوم تیاگی) سے اصرار کیا کہ گاؤں سے دیوبند بس جارہی ہے ہمیں بھی کسی کے ساتھ بھیج دیں، انہوں نے منظور فرمالیا اور اس طرح پہلی بار دیوبند کی سرزمین دیکھنے میں آئی۔ اسی سال مدرسہ اسلامیہ ٹانڈہ (چھپرولی، ضلع باغپت) میں جہاں احقر زیر تعلیم تھا مولانا ممشاد علی صاحب قاسمی (ناظم جامعہ فلاحِ دارین الاسلامیہ بلاسپور، مظفرنگر) تشریف لائے، دیوبند سے فارغ التحصیل یہ وہاں پہلے مدرس آئے تھے، ان کے ذریعہ دارالعلوم اور اس کے اکابرین کے واقعات وحالات نے ذہن کو اور جلاء بخشی۔

حضرت علامہ بلیاویؒ کا نام پہلی مرتبہ کان میں تب پڑا جب ہمارے ایک استاذِ محترم (مولانا مفتی اسرار احمد صاحب مدظلہ) نے ایک روز سبق میں بتایا کہ دیوبند میں منطق وفلسفہ کے ایک بہت بڑے عالم گذرے ہیں، ان کی عقلیات میں مہارت کا یہ حال تھا کہ ایک بار انہوں نے دارالعلوم کے اعلیٰ مدرسین سے مناظرہ ٹھہرایا کہ تین چیزوں کے عدم وقوع اور عدم وجود پر میں عقلی دلائل قائم کرتا ہوں، آپ حضرات عقلی دلائل سے ان کو ثابت کردیں یا میرے دلائل میں سقم نکالیں تو جانوں۔

طویل مدت کی بات ہے اب نہ وہ مسائل یاد رہے نہ دلائل، لیکن ایک زبردست عالم اور ماہر عقلیات کے طور پر حضرت علامہ کا نام حافظہ میں پیوست ہوگیا۔

۱۹۸۳ء میں جب احقر مدرسہ اشرف العلوم گنگوہ میں جلالین شریف وغیرہ کتابیں پڑھتا تھا اس دوران ایک روز مولانا حکیم عبد الرشید محمود صاحبؒ (نبیرہ حضرت گنگوہیؒ) کی مجلس میں علمائے دیوبند کا ذکر آ گیا بس حکیم صاحب جیسے وجد میں آ گئے اور فرمایا:

> ''اگر میں استعارہ کر کے قسم کھالوں کہ میں نے امام بخاری وامام مسلم کو دیکھا ہے، میں نے امام رازی وامام غزالی سے فیض حاصل کیا ہے، (اسی طرح اور بھی بعض علمائے سلف کے نام لئے) تو میں حانث نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ ہرگز امام بخاری وامام مسلم سے کم نہیں تھے۔حضرت تھانویؒ تصوف میں امام غزالی سے کم نہیں تھے۔علامہ بلیاوی امام رازی سے بالکل کم نہیں تھے۔اور میں نے ان سب حضرات کو دیکھا اوران سے فیض حاصل کیا ہے۔'' (اوکما قال)

اس دن پھراس بات کی یادتازہ ہوگئی اور علامہ کا عقلیات میں متبحر ہونا جیسے نقش کالحجر ہوگیا۔خوش قسمتی کہ ناچیز کا دارالعلوم میں داخلہ ہوگیا، یہاں درس میں اساتذہ حضرات سے علامہ کے بعض مقولے سنے، مگر جو عقیدت واحترام پہلے ہی قائم ہوچکا تھا وہ بہت کافی تھا، شاید اضافے کی گنجائش ہی نہ تھی۔ بعد فراغت ایک روز مغرب کے بعد استاذِ مشفق حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کے یہاں حضرت علامہ کا ذکر آ گیا تو انھوں نے انکے استغناء، وجاہت، انفرادی شان اور علمی تبحر کی بہت سی باتیں بتائیں، آخر میں فرمایا کہ حضرت علامہ بعض مسائل میں تفردات کے مالک تھے۔ تفردات کا مالک وہی شخص ہوسکتا ہے جس نے پورے ذخیرے کو کھنگال لیا ہو اور وہ ایک خصوصی نگاہ وبصیرت کا مالک ہو۔ یہ میرے لئے ایک نیا انکشاف تھا۔ میں نے بعد میں ایک روز مولانا وحید الزماں صاحبؒ سے (مزید تحقیق اور تعجب سے) پوچھا

کہ کیا واقعی علامہ بلیاوی اتنے بڑے عالم تھے؟ انہوں نے پورے شرح صدر سے جواب دیا کہ وہ حقیقت میں بہت زبردست عالم تھے اوران کو درجۂ تحقیق حاصل تھا۔

حضرت مولانا وحیدالزماں صاحبؒ کی یہ روایت یقیناً پایۂ تحقیق کو پہنچ جاتی ہے جب ایک قاری کی نظروں سے یہ الفاظ گذرتے ہیں:

''وہ بہت کم بولتے تھے مگر جو بول دیتے تھے وہ حرفِ آخر ہوتا تھا، اسی لئے حضرت شیخ (شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ) فرماتے تھے کہ اگر مولانا ابراہیم صاحب پہلے وقتوں میں ہوتے تو آج ان کے اقوال نقل کئے جاتے۔'' (ترجمان دارالعلوم جولائی ۱۹۹۹ء)

میں ایک روز مدرسہ خادم الاسلام ہاپوڑ کے مہتمم حضرت مولانا ناظر حسین صاحب مدظلہ العالی (رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند) کے پاس مدرسہ کے دفتر میں تھا کہ آپ نے دورانِ گفتگو فرمایا:

''ہمارے استاذ حضرت علامہ بلیاوی کہا کرتے تھے کہ جس طرح مچھلی کو پانی میں سکون ملتا ہے اسی طرح اہل علم کے سکون کا مقام مدارس ومکاتب ہیں۔''

اس وقت میرے دل میں خیال آیا کہ حضرت علامہ کے ممکن الحصول حالات مرتب کروں۔ اہل خانہ کے پاس کسی طرح کا بھی کوئی علمی یا سوانحی موادوذخیرہ نہ ملا۔ پھر ۱۹۹۲ء میں احقر کا تقرر جامعہ طبیہ دیوبند میں ہوا تو جیسے دیوبند میں قیام کا موقع ہاتھ آ گیا۔ اس وقت میں حالات تلاشے مگر کوئی خاص کامیابی نہ ہوئی، پھر بھی قریب بیس صفحات کا ایک مضمون لکھ دیا جو چار قسطوں میں ماہنامہ دارالعلوم میں شائع ہوا۔

اب مخلص من جناب ڈاکٹر نواز دیوبندی صاحب نے علمائے دیوبند کے حالات پر مشتمل ضخیم مجلدات مرتب کرنے اوران کی اشاعت کا بیڑا اٹھایا (جن میں سے ''سوانح علمائے دیوبند'' کے نام سے دوجلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں) تو گویا اس مضمون کی تیاری وترتیب کا ایک اور موقع نکل آیا۔ محترم جناب ڈاکٹر نواز صاحب کی بھی خواہش ہے کہ ہمارے اس سلسلے میں ان شخصیات پر زیادہ زور رہے کہ جو اپنے

دور میں زبردست اور مقبول رہیں مگر ان پر مرتب طور پر کچھ سوانحی مواد نہیں ملتا۔

یہ تقریب نکل آنے کے بعد گویا ایک تقاضہ سامنے آیا اور احقر نے حالات کی ترتیب کا کام شروع کر دیا۔ اب الحمد للہ یہ مضمون ایک سو بیاسی (۱۸۲) صفحات پر پھیل گیا ہے، جس میں حالات کے ضمن میں بعض اہم ملفوظات اور مفید مضامین بھی آگئے ہیں۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر و احسان ہے کہ مجھے اس کے ایک نیک بندے کے حالات لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ میں نے مضمون میں عام طور پر شائع شدہ اور قدیم تحریروں سے ہی استفادہ کیا ہے۔ خاندانی حضرات کی مسموعی روایات کو بھی اکثر نظر انداز کیا ہے البتہ اگر دار العلوم دیوبند کے کسی استاذ یا دیگر کسی اہم قابل اعتماد شخص نے کوئی واقعہ سنایا تو شاید ایک دو مقام پر شامل مضمون کرلیا ہے، کیونکہ عام طور پر اعزاء واقرباء کی بیان کردہ روایات غلو سے خالی نہیں ہوتیں، جو ظاہر ہے کہ راوی اور کاتب دونوں کے لئے آخرت میں شرمساری کا باعث ہوں گی۔

مجھے قوی امید ہے کہ اس کتاب سے نہ صرف یہ کہ حضرت علامہ کے حالات و وقائع ایک جگہ جمع ہوکر شائقین، متعلقین، شاگردوں اور اہل خانہ واعزا کے لئے باعث فرحت و مسرت ہوں گے بلکہ ان کے حالات و کمالات سے اور خصوصًا اس رسالے کے بابِ چہارم سے اصحابِ درس اور طالبانِ علم کو ایک نئی روشنی ملے گی۔ ان کے اندر بھی حضرت علامہ کی طرح اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کا جذبہ پیدا ہوگا جنھوں نے علم کو اوڑھنا بچھونا بناکر اپنی زندگی اس کیلئے وقف کردی اور اکابر دار العلوم کے ورثہ اور مسلک دار العلوم کی حفاظت کو اپنا مقصد زندگی بنالیا۔

اللہ رب العزت مجھے بھی اپنے بندوں کے طفیل محض اپنے فضل و کرم سے اعمالِ صالحہ کی توفیق بخشے۔ آمین

محمد عمران قاسمی بگیانوی

مورخہ ۱۵؍ذی الحجہ ۱۴۲۳ھ

مقیم محلّہ محمود نگر، مظفر نگر یوپی (Ph.0131-2442408)

بابِ اول

خاندانی حالات اور آباءواجداد

سترہویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصہ کی بات ہے کہ ضلع جھنگ (پاکستانی پنجاب) سے ایک قبیلہ جونپور میں آکر رہائش پذیر ہوا، یہاں قیام کو تقریباً ایک صدی گذری تھی، ایک دور ایسا آیا کہ عام طور پر بدحالی اور فاقہ کشی پورے ملک میں پھیل گئی، جونپور میں یہ صورتِ حال کچھ زیادہ تھی چنانچہ یہ قبیلہ وہاں سے بھی عازمِ سفر ہوا۔

ظاہر ہے کہ جونپور کے سوسالہ قیام کے دوران اس قبیلہ کے افراد میں زیادتی ہونا ایک فطری امر تھا، جس کے نتیجے میں وہ چھوٹا سا قبیلہ جو ایک صدی قبل جھنگ سے آیا تھا اب ایک اچھے خاصے خاندان کی شکل اختیار کر چکا تھا، جن میں کچھ لوگ دولتِ علم سے مالا مال تھے تو کچھ دنیاوی اعتباری سے خوشحال اور صاحبِ حیثیت۔

بہر حال اس قبیلہ (خاندان) کے افراد نے جونپور کی قحط زدہ زندگی سے پریشان ہو کر ملک کی مختلف سمتوں کا رخ کیا، بعض افراد فرنگی محل (لکھنؤ) چلے گئے جن میں مولانا مظفر حسین اور مولانا عبدالمجید خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور بعض نے مونگیر (بہار) میں سکونت اختیار کر لی، اور کچھ لوگ جنکے پاس سرمایہ کم تھا وہ شہر بلیا (یوپی) میں جا کر مقیم ہو گئے۔ مؤخر الذکر جماعت حضرت العلامہؒ کے پردادا بھی تھے۔

نسبی اصل

اہل علم پر واضح ہے کہ نری شرافتِ نسبی چنداں کارآمد نہیں جب تک حسبی فضیلت حاصل نہ ہو۔ اعلیٰ نسبی قابل شرف تو ہے مگر لائق فخر نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں معیارِ فضیلت ومقبولیت اعمالِ صالحہ اور تقویٰ و پرہیزگاری ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں واضح طور سے اعلان ہے: اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰکُمۡ۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''مدارِ نجات نسب نہیں ہے عمل ہے۔ اگر نسبی حیثیت سے کوئی اعلیٰ درجہ کا عالی نسب ہے مگر اعمال قبیح ہیں تو مثل پسر نوح علیہ السلام وہ راندۂ درگاہِ خداوندی ہے۔ اور اگر چمار زادہ یا بھنگی زادہ ہے مگر وہ مسلمان متقی ہے تو اس کی فوز وفلاح مثل بلال وصہیب رضوان اللہ تعالیٰ علیہما ہے۔'' (۱)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت (علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی) مرحوم کی اصل پنجاب ہے۔ ان کے پردادا آج سے تقریباً کئی سو برس پہلے ضلع جھنگ سے ہندوستان آئے اور جونپور میں آ کر بس گئے۔ ایک عرصہ بعد وہاں اسبابِ معیشت تنگ ہو جانے کے بعد ان کے خاندان کا کچھ حصہ بہار میں جا کر آباد ہو گیا اور مولانا کے پردادا اپنے خاندان سمیت بلیا میں جا کر آباد ہو گئے۔ اس طرح مولانا کی اصل پنجاب ہے .... حضرت مولانا کی یہ نسبی اصل ہے۔ (۲)

حضرت علامہ کی یہ نسبی اصل ظاہر کرنا اور اس سلسلہ کی کچھ تفصیلات پیش کرنا اس لئے اہم اور ضروری ہے کہ عام طور پر اور علماء کے ایک خاص طبقہ میں بھی جو علم وتحقیق کے معاملے میں سہولت پسند اور تاریخ وحقائق سے زیادہ عرفِ عام کو مستدل بنانے کا خوگر معلوم ہوتا ہے، یہ مشہور ہے کہ حضرت علامہ ہندوستان کی معروف برادری ''انصاری'' (پارچہ باف حضرات) سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسی عرفِ عام کا نتیجہ ہے کہ علامہ سے شرفِ تلمذ رکھنے والے ایک معروف سوانح نگار نے اپنی ایک کتاب (۳) میں حضرت علامہ کے نام کے ساتھ ''شیخ انصاری'' کا لفظ لکھ ڈالا۔ تاریخ وحقائق سے یہ چشم پوشی یا عدمِ واقفیت نہایت قابل اصلاح ہے۔

---

(۱) مکتوبات شیخ الاسلام ج ۱ ص ۵۸ (۲) علامہ کی یاد، دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۹

(۳) تذکرہ مشائخ دیوبند

شاید اسی شہرتِ عام کا نتیجہ ہے کہ آپ کے ایک اور مشہور شاگرد مولانا محمد عزیر قاسمی نے ایک مضمون حضرت علامہ کے حالات پر مشتمل ماہ نامہ ترجمانِ دارالعلوم کے لئے لکھا اس میں بصراحت تحریر کیا:

''حضرت علامہ انصاری برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ دیوبند کے علاقہ میں برادری اور قومیت کا بڑا اثر ہے اور انصاریوں کو حقیر سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے کئی بار یہ موضوع زیر گفتگو آیا۔ غالباً ایک مرتبہ علامہ اور مفتی محمد شفیع صاحب میں یہ بحث عملاً چھڑ گئی تھی۔ علامہ فرماتے تھے کہ شرح وقایہ وغیرہ میں جس ''حائک'' کا تذکرہ ہے وہ دیوبند کے علاقے میں ہیں یا سات سو برس پہلے تھے۔'' (۱)

اس میں کلام نہیں کہ حضرت علامہؒ کی شہرتِ نسبی انصاری (برادری کے ایک فرد) کی حیثیت سے ہے، مگر علامہ کے خاندانی حالات سے واقف حضرات جانتے ہیں کہ یہ خلافِ واقعہ اور بعض مخصوص حالات کی دَین ہے۔ جیسا کہ پہلے تحریر کیا جاچکا ہے کہ علامہ کا خاندان ایک زمانے میں شدید معاشی تنگیوں اور اقتصادی بدحالیوں کا شکار رہا ہے، ایسے میں یہ بالکل قرین قیاس ہی نہیں بلکہ واقعہ کے مطابق ہے کہ علامہ کے خاندان کے افراد نے مناکحت وتزوج میں نسلی برابری اور مساوات کے سلسلے میں وہ حزم واحتیاط اختیار نہیں کی جو ایک اعلیٰ خاندان کے نسلی امتیاز کو باقی رکھتی ہے۔

اورنگ زیب عالمگیر کے بعد تخت نشیں حکمرانِ دہلی (شاہ عالم بہادر شاہ) تشیع کا شکار تھا اور اس نے تمام ممالک محروسہ میں یہ گشتی جاری کر دی تھی کہ امام خطبہ میں حضرت علیؓ کے وصی ہونے کا برسر منبر اعلان کرے.........امروہہ کے امراء نے تبدل مذہب اور حاضریٔ دربار کی بدولت اپنی جاگیروں کو قائم رکھا......کہا جاتا ہے کہ اس زمانے میں دیوبند کے تمام عثمانی شیخ زادے تفضیلی (شیعہ) ہوگئے تھے۔ (۲)

(۱) ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ ص ۵۲۔ (۲) حاشیہ سوانح قاسمی جلد اول ص ۵۹ تا ۶۷ ملخصاً وانتخاباً۔

جن کے پاس جاگیریں ہونگی وہ ان کی بقاء کی خاطر اور جن کے پاس جاگیریں وعطیاتِ حکومت نہ ہوں وہ اس طمع سے کہ شاید کچھ شاہی عنایت ان پر بھی ہوجائے۔

اگر فقر اور معاشی تنگی کے خوف یا حصولِ مال و وجاہت کی امید وطمع میں آدمی تبدیلیٔ مذہب ومسلک جیسے جرمِ عظیم کا ارتکاب کرسکتا ہے تو اگر حالات کی ناموافقت اقتصادی بدحالی، تقاضوں وضروریات کی تکمیل اور نئے معاشرے و ماحول سے ہم آہنگی کے سبب کوئی خاندان تزوج ومناکحت میں اپنے نسلی امتیاز کو باقی نہ رکھ سکے تو یہ کوئی قابل تعجب بات یا امر مستبعد نہیں ہے، اور پھر جبکہ شریعت حقہ میں اس پر کوئی حکم قطعی اور اتنا تشدد بھی نہیں، ایسے میں یہ امر قابل ملامت وحقارت بھی نہیں رہتا۔

اور مکمل مساوات کا اہتمام بلیا میں آسان بھی نہ تھا، چونکہ اطرافِ بلیا میں عام طور پر انصاری (پارچہ بافوں کی) برادری کی کثرت تھی اور یہ خاندان بہر حال اقتصادی بدحالی اور مالی مشکلات کا شکار تھا، ایسے میں یہ اپنے اس نسلی امتیاز کو باقی نہ رکھ سکا جو اسکی اصل ہے، اور اپنی اس خستہ حالی کے سبب رشتوں میں عدمِ مساوات کو نظر انداز کرگیا اور انصاری برادری میں متعدد رشتہ داریاں ہوگئیں اور اس خاندان کے اسی پہلو کے سبب اسکو انصاری (پارچہ باف) خاندان کے طور پر شہرت حاصل ہوگئی۔

انصاری حضرات ہی کی طرف یہ لوگ کیوں ملتفت ہوئے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ بلیا اور اس کے اطراف میں جو برادریاں آباد تھیں ان میں مقابلۃً یہی حضرات تعلیم وتہذیب، بہتر طرزِ زندگی اور عمدہ اوصاف کے حامل تھے۔ اس علاقہ میں آج بھی اس برادری کے حضرات تعلیم یافتہ، کامیاب تاجر اور خصائل حسنہ کے مالک ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ:

> ''مئو کے علاقہ میں جو انصاری ہیں ان کو دیکھ کر قاری طیب صاحبؒ نے فرمایا کہ دیوبند کے شیخ وسید کو ان پر قربان کرتا ہوں۔'' (۱)

(۱) ترجمانِ دارالعلوم دیوبند اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۲

راقم الحروف نے ۱۹۹۳ء میں حضرت علامہ کے حالات پر ایک مضمون ترتیب دیا تھا جو ماہ نامہ دارالعلوم دیوبند کے کئی شماروں (۱) میں شائع ہوا اور بعض خاص عوارض کے سبب نامکمل ہی رہ گیا تھا، اس وقت عاجز نے حضرت علامہ کی نسبی اصل کے متعلق مندرجہ بالا سطور اور حضرت مہتمم صاحبؒ کی تحریر کا سابق میں درج شدہ اقتباس نقل کیا تو اہل علم کی ایک مخصوص جماعت کو بہت ناگواری ہوئی اور انہوں نے اپنا منفی ردعمل مدیر رسالہ کے نام خطوط لکھ کر ظاہر کیا۔ جو صرف اس غم وغصہ پر مشتمل تھا کہ اس خاندان کی جو عرفی حیثیت ہے اس کے خلاف تلاش وتحقیق کر کے اصلیت کو کیوں اجاگر کیا گیا۔ ان احتجاج کرنے والوں میں دو قسم کے حضرات تھے، ایک وہ جو شرافت نسبی کو سرمایۂ افتخار سمجھتے ہیں اور نسلی تفوق کے معاملے میں احساسِ برتری کا شکار ہیں۔ ان کی ناگواری کا سبب یہ تھا کہ حقیقت کچھ بھی ہو مگر عرفیت کی بنیاد پر برادری ازم کی پچھلی صف میں جو شخص کھڑا ہے ہم اسے اگلی صف میں نہیں آنے دیں گے چاہے آپ کتنے ہی حقائق پیش کریں۔

اس حقیقت پر ناراضگی ظاہر کرنے والوں میں دوسرے حضرات وہ تھے جو معروف انصاری برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ انکے نزدیک اس برادری اور خود ان کیلئے علامہ کی شخصیت سرمایۂ افتخار ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اس دولتِ گرانقدر کو اتنی آسانی سے ہاتھ سے جانے دینے کو تیار نہیں ہیں۔ یہ ان کیلئے بالکل خلافِ توقع بات تھی۔

مضمون نگار کو افسوس رہا تو یہ کہ معترض حضرات نے کوئی عقلی یا نقلی شہادت پیش کرنے یا راقم الحروف کے ذریعہ پیش کردہ تحریر میں سقم نکالنے کے بجائے مخالفت برائے مخالفت کی یا عرفِ عام کو مستدل وحجت بنایا۔

میں مانتا ہوں کہ ہندوستان میں معدودے چند خاندانوں کے علاوہ کسی کے نسب نامے محفوظ یا تحریف وتدلیس سے خالی نہیں اور عرفِ عام نسبی شناخت کا ایک

---

(۱) یہ مضمون نومبر ۱۹۹۳ء تا فروری ۱۹۹۴ء کے شماروں میں شائع ہوا ہے۔

اہم ذریعہ ہے، مگر جہاں کوئی تاریخی اور قابل اعتماد وثیقہ عرفِ عام کا معارض ہو وہاں عرفِ عام کو غلط العوام کا نام دیا جائے گا۔ یقیناً اب مجھ سے یہ تقاضا بجا ہے کہ اس تاریخی اور معتمد علیہ وثیقہ کو پیش کروں جس کی بنیاد پر اتنے یقین کے ساتھ میں اپنے موقف پر قائم ہوں۔

میں اس تحریر کو پیش کرنے سے قبل یہ جاننا چاہتا ہوں کہ کیا علامہ بلیاویؒ آپ کی نگاہ میں ایسے شخص تھے جو اپنی نسبی اصلیت کے متعلق دروغ گوئی سے کام لے سکتے تھے؟ جبکہ وہ ایک زبردست عالم ہی نہیں بلند پایہ محدث بھی تھے۔ انہیں حدیث شریف میں آئی یہ وعید بھی یاد تھی کہ جو اپنا نسب اپنے حقیقی باپ کے علاوہ کسی اور کے ساتھ جوڑے اس پر رسولِ خدا کی لعنت ہے۔ جن کے متعلق حضرت شیخ الاسلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر یہ پہلے وقتوں میں ہوتے تو ان کے قول (حل مہمات مسائل علمیہ کے لئے) نقل کئے جاتے۔ میرا دل گواہی دیتا ہے کہ حضرت علامہ ایسی معمولی بات کے لئے اپنی آخرت کو داغدار نہیں کر سکتے تھے۔

اگر وہ کسی طرح سے بھی معاملاتِ نسب میں احساسِ کمتری کا شکار ہوتے تو ان کی زندگی میں کئی مواقع ایسے آئے کہ دیوبند کے اعلیٰ نسب سادات وشیوخ حضرات نے ان کے گھرانے میں رشتہ داری کرنے کو اپنے لئے سعادت وفخر کا باعث سمجھا اور علامہ شبیر احمد عثانی جیسے شخص نے اپنی ایک عزیزہ سے علامہ کے صاحبزادے کے لئے رشتہ کی خواہش ظاہر کی مگر حضرت علامہ نے کبھی ان چیزوں کو اہمیت کے قابل نہ سمجھا۔

یہ ایک دکھ بھری حقیقت ہے کہ آج علامہ کا خاندان اپنی شناخت کھوتا جا رہا ہے۔ اس کے کچھ افراد ہیں جو وقت کی رفتار کے آگے بے بس ہو کر خود کو اسی حیثیت (انصاری برادری کے ایک فرد کے طور پر) سے متعارف کرانے لگے یا اپنی اس عرفی حیثیت پر سرِ تسلیم جھکا لیتے ہیں، اور بعض افراد وہ ہیں جو ابھی بھی اپنی اصل حیثیت وشناخت کو باقی رکھنے کی جی توڑ کوشش میں ہیں۔ دیوبند میں مختلف خاندانوں میں

عدمِ مساوات کو باعث عار سمجھنے کی روایت چھوٹتی جارہی ہے۔اسی طرز پر اس خاندان کا سلسلۂ مناکحت وتزوج بھی مختلف برادریوں میں ہے اور ابھی بھی انصاری حضرات میں بھی یہ سلسلہ قابل ذکر حد تک جاری ہے۔مگر یہ خاندان خود کو انصاری برادری کا فرد نہیں مانتا جس کی معقول اور تاریخی وجوہات وشہادات اس کے پاس موجود ہیں۔

اب اس بحث کو مختصر کرتے ہوئے میں اس تاریخی وثیقہ کو نقل کرتا ہوں جو اس خاندان کی نسبی اصلیت کا مظہر ہے۔شعبان ۱۳۸۷ھ میں حضرت علامہ نے حضرت مولانا محمد حیات صاحب کی درخواست وخواہش پر بموقع ختم بخاری شریف مراد آباد کا سفر کیا۔طبیعت ناساز چل رہی تھی غالباً حضرت علامہ کو بھی اپنی عمر کے آخر ہونے کا اندازہ ہو چلا تھا۔دورانِ سفر نجیب آباد میں جبکہ کئی آدمیوں کا قافلہ ساتھ تھا، اچانک حضرت علامہ نے اپنے صاحبزادے جناب مولانا قاری محمد نعمان صاحب کو طلب کیا اور فرمایا:

''میرے پاس آکر بیٹھ جاؤ، مجھ کو کچھ کہنا ہے۔حضرت نے فرمایا کہ تو (قاری محمد نعمان صاحب) جانتا ہے کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ میں اس فقرے پر مبہوت ہوگیا۔میں نے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ''ہمارا قبیلہ ضلع جھنگ (پنجاب) سے آیا ہے، یہ قبیلہ جونپور میں جاکر بسا، تقریباً سو برس بعد اس کے کچھ افراد لکھنؤ میں اترے جن کے نام حضرت نے یہ بتلائے، مولانا عبد المجید، مولانا مظفر حسین۔ان کا قیام فرنگی محل میں ہوا۔جونپور کے دورانِ قیام میں ایک دور ایسا آیا کہ عام طور پر فاقہ کشی اور بدحالی پورے ملک میں پھیل گئی، جس کا زیادہ اثر جونپور پر ہوا تو ہمارے قبیلے کے کچھ لوگ بہار اور مونگیر چلے گئے، اور کچھ لوگ جن کے پاس سرمایہ کم تھا وہ بلیا میں رکے، فرمایا کہ ان میں ہمارے پردادا بھی تھے۔ ہمارا قبیلہ بلیا میں تقریباً ۹۵ ربرس رہا اور میں نے اپنی زندگی دیوبند میں تقریباً ۶۳ ربرس گذاری۔میں نے اس کو اپنا مستقل وطن بنالیا اور ہمارے

اکابر نے تقریباً ۵۵/ یا ۵۶/ برس تعلیم کی اعلیٰ کتابیں مجھے دیں اور آدھی صدی سے زائد تک بزرگوں نے دارالعلوم میں مجھے دخیل بنائے رکھا۔ مجھ سے جہاں تک ہوسکا بزرگوں کے کہنے پر چل کر کام کیا............(۱)

کیا حضرت علامہ کے یہ الفاظ صریح طور پر اعلان نہیں کررہے ہیں کہ ان کو جس برادری سے منسوب کیا جاتا ہے ان کا نسبی تعلق اس سے نہیں ہے۔ یوں بھی اس خاندان کا طرزِ معاشرت، قدوقامت، خورد ونوش، فراخ دستی، وسعتِ دسترخوان، تہذیب وشائستگی اور اخلاق وعادات اس کا پتہ دیتے ہیں کہ یہ اصلی پنجابی ہیں اور بعید نہیں کہ قبائلی پٹھانوں کی کسی شاخ سے تعلق رکھتے ہوں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اگر آپ کی تاریخ انساب واقوام پر نظر ہے تو ہندوستان میں آپ کو ایسے کئی معروف خاندان مل جائیں گے جو صرف رشتۂ مناکحت وتزوج کے سبب اپنی نسبی اصل کے بجائے دیگر نسب ناموں کی فہرست میں اپنا نام درج کرا چکے ہیں۔

علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کی نسبی اصلیت کے متعلق بعض عوارضات (جن میں سے بعض سابق میں مذکور ہوئے) کے سبب یہ صورتِ حال پیش آئی کہ وہ عرفِ عام میں غلط مشہور ہوگئی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علامہ مرحوم پنجابی الاصل تھے جو نہایت صاحب عزت وعظمت برادری ہے اور پاکستان کے اس علاقہ (پنجاب) میں جہاں سے علامہ کا خاندان آیا تھا آج بھی دینی اور دنیاوی اعتبار سے معاشرے میں ایک کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ صرف علو نسبی نہ قابل فخر ہے اور نہ مدارِ نجات، ہاں اگر اعلیٰ حسبی کے ساتھ شرافت نسبی حاصل ہو تو رب العالمین کا انعام خصوصی اور نور علیٰ نور ہے۔ علامہ (محمد ابراہیم بلیاویؒ) کی اعلیٰ حسبی اور فضل وکمال تو اس قدر معروف ومسلم ہے کہ ایک زمانہ اس کا شاہد ومعترف ہے البتہ چونکہ حضرت علامہ

(۱) آخرایام زندگی، دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۵

کی نسبی اصل کے متعلق ایک غلط روایت خلافِ واقعہ مشہور ہے، اسی کی تردید وتصحیح اور حقیقت کی تنقیح ووضاحت ضروری تھی اسلئے اس قدر تفصیل وطوالت سے کام لیا گیا۔ الحمدللہ اب مقصود بے غبار ہوگیا۔

مولانا عبدالرحیم صاحب

آپ پڑھ چکے ہیں کہ ایک طویل عرصہ تک علامہؒ کا خاندان اقتصادی بحران اور معاشی تنگی کا شکار رہا ہے، مگر اس ظاہری ومادی بے سروسامانی کے باوجود جونپور (۱) کے تعلیمی ماحول کے سبب دولت علم کا گراں قدر سرمایہ اس کے مقدر کا حصہ رہا اور اس خاندان میں متعدد علماء پیدا ہوئے، جن میں سے مولانا مظفر حسین اور مولانا عبدالمجید کے اسمائے گرامی آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔

حضرت العلامہؒ کے والد محترم (مولانا عبدالرحیم صاحب) بھی نہ صرف زیورِ علم سے آراستہ تھے بلکہ ایک جید عالم تھے اور آپ جونپور کے اس مشہور مرکز علوم کے تعلیم یافتہ تھے جس میں ملا محمود جونپوری (۲) ''صاحب شمسِ بازغہ'' جیسے نامور فاضل اور یگانۂ روزگار عالم مدرس رہ چکے ہیں۔

گویا علامہؒ کی پیدائش سے قبل ہی گھر کا ماحول تعلیمی اور دامن پدری علم وفضل کا گہوارہ تھا اور فضاء اس شخصیت کے بالکل شایانِ شان تھی، مستقبل میں جس کا جامع علوم، آفتابِ فضل وکمال اور استاذ العلماء ہونا ازل سے مقدر ہو چکا تھا۔

---

(۱) سلطان غیاث الدین تغلق کے چند بیٹوں میں سے ایک کا نام ظفر خاں اور دوسرے کا فخر الدین جونا تھا، پہلے کے نام پر غیاث الدین نے ظفر آباد اور دوسرے کے نام پر بعد میں فیروز شاہ تغلق نے جونپور آباد کیا، یہ آبادی ۱۷۶ھ سے قبل ہوئی۔ جونپور کو مرکز علم بنانے اور علمی حیثیت وشہرت دینے کا سہرا قاضی شہاب الدین دولت آبادی کے سر جاتا ہے آپنے یہاں قیام فرما کر اسے اپنے فیوض وبرکات کا مرکز بنایا۔ لکھنؤ جو عرصہ تک علم اور علماء کا مرکز رہا ہے وہ بھی دراصل جونپور کے علمی فیضان کا رہین منت ہے کہ یہاں کے تعلیم یافتہ حضرات ہی نے وہاں (لکھنؤ) قیام فرما کر اسے علم وکمال کی روشنی بخشی۔ (ملخصاً از حیاتِ شبلی ص ۹ تا ۱۲)

(۲) ملا محمود ''صاحب شمسِ بازغہ'' کی وفات ۱۰۶۲ھ میں ہوئی۔

ولادت

مولانا عبدالرحیم صاحب کے یہاں سات اولادیں ہوئیں (۱) علامہ ان میں سب سے چھوٹے تھے۔ کسی کو کیا معلوم اور خود مولانا عبدالرحیم صاحب کے بھی گمان و خیال میں یہ بات نہ ہوگی کہ یہ معصوم بچہ جو اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا ہے، اس کا مقام کتنا بلند ہے، اور وہ آسمانِ علم و شریعت کا ایسا روشن آفتاب ہے کہ عالم اسلام اور خصوصاً برصغیر کے کونے کونے اس کی ضیا پاشیوں سے منور و روشن ہو اٹھیں گے اور ایک زمانہ اس کے علم و فضل سے خوشہ چینی اور اس کی چاکری کو اپنی سعادت سمجھے گا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دارالعلوم دیوبند اپنی عمر کی تیسری دہائی میں قدم رکھ ہی رہا تھا کہ اس کے سب سے قدیم اور مخلص استاذ نے داغِ مفارقت دیدیا اور اس طرح ۱۳۰۴ھ میں دارالعلوم کے مدرس اول (استاذ شیخ الہندؒ) جناب مولانا ملا محمود صاحب دیوبندی (۲) کا انتقال ہوگیا۔ مگر اسرارِ خداوندی سے کون واقف ہے، کسے معلوم کہ اگر آسمانِ علم کا ایک ستارہ ٹوٹا اور اس کا تعلق اس عالم ناسوتی سے منقطع ہوگیا ہے تو ایسے دو نفوس نے اس عالم ناسوتی میں قدم رکھ دیئے ہیں کہ جو چرخِ علم کی تابناکی کا ذریعہ بنیں گے۔

آج دارالعلوم دیوبند اپنے ایک قدیم رفیق کی جدائی پر ملول ہے مگر اسے کیا

---

(۱) سب سے بڑے حافظ سلیمان تھے جو نہایت جید، خوش الحان اور جہوری الصوت حافظ تھے، دربھنگہ میں ایک شاندار مسجد آپ کی یادگار کے طور پر تعمیر کی گئی ہے جو آپکے نام سے موسوم ہے۔ دوسرے محمد عثمان صاحب، یہ نیم عالم ہوئے اور شادی کے بعد عین جوانی میں آپکا انتقال ہوا۔ تیرے محمد قربان صاحب۔ چوتھے محمد سبحان صاحب (انکے صاحبزادے حکیم محمد مہدی کا علامہ کے پاس رہتے ہوئے دیوبند ہی میں انتقال ہوا) پانچویں مسماۃ بتول چھٹی مسماۃ (نامعلوم الاسم) اور ساتوے (صاحبِ سوانح) محمد ابراہیم۔

(۲) دارالعلوم دیوبند دو محمودوں سے شروع ہوا، ایک استاذ جناب مولانا ملا محمود صاحب، اور ایک شاگرد محمود الحسن یعنی حضرت شیخ الہندؒ۔

معلوم کہ تیرے دامن تربیت میں دو ایسے نایاب گوہروں کا آنا مقدر ہو چکا ہے کہ خود علم وفضل اپنی تقدیر پر رشک کریں گے، اور وہ تیری نیک نامی کو بام عروج تک پہنچا دیں گے، جی ہاں! میری مراد علامہ محمد ابراہیم بلیاوی اور علامہ شبیر احمد عثمانی سے ہے، ان دونوں حضرات کی ولادت اسی دور (۱۳۰۴ھ، ۱۳۰۵ھ) میں ہوئی۔

تعلیم وتحصیل

آپ (علامہ) کے والد محترم (مولانا عبدالرحیم صاحب) خود جید عالم تھے اس لئے قرآن پاک اور ابتدائی دینیات کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی، اس کے بعد آپ کا داخلہ جونپور کے اسی مشہور مرکز علوم میں کرایا گیا جہاں آپکے والد محترم نے تعلیم حاصل کی تھی، یہاں (جونپور میں) آپکو نہایت قابل اور فاضلین کاملین اساتذہ سے استفادہ کا موقع حاصل ہوا جن میں مولانا حکیم جمیل الدین احمد نگینوی (۱) مولانا عبدالغفار صاحب اور مولانا ہدایت اللہ خاں صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ قریب ۱۳۲۰ھ اور ۱۳۲۴ھ کے درمیانی زمانے کی بات ہے، اس کے علاوہ آپ نے مولانا محمد فاروق صاحب چریا کوٹی سے بھی شرفِ تلمذ حاصل کیا۔

---

(۱) غالباً حکیم صاحب کی گوہر شناس نظروں نے علامہؒ کے اندر چھپے اس حقیقی جوہر کو پہچان لیا تھا جو بعد میں آسمانِ علم پر آفتاب بن کر اجاگر ہوا اور ہزاروں ظلمت وجہالت کی وادیوں کو چیرتا ہوا نکل گیا، یہی وجہ تھی کہ حکیم صاحب کی علامہ پر خاص توجہ رہی اور علامہ کو اس کی تحریک وتحریض کرتے رہے کہ تکمیل دیوبند میں کریں، اور جب ان کی یہ محنت رنگ لے آئی اور جو موانع تھے وہ بھی مرتفع ہوگئے اور علامہ دیوبند تشریف لانے لگے تو حکیم صاحب نے ایک تعارفی (یا سفارشی) خط حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں تحریر فرمادیا۔ بہر حال علامہ کے دیوبند آنے کے حکیم صاحب محرک بنے اور یہ علامہ کی زندگی کا وہ اہم موڑ ہے جس پر ان کی شخصیت کی پوری تعمیر قائم ہے، خود حضرت علامہ کا یہ ارشاد بالتفصیل آپ کی نظروں سے گذرنے والا ہے کہ بہت اچھا ہوگیا کہ میں دیوبند آ گیا...... اخیر میں حکیم جمیل الدین صاحب نے دہلی میں سکونت اختیار فرمائی اور وہیں کے ہوکر رہ گئے اور بالآخر ۱۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ قدس سرہ

دارالعلوم دیوبند میں داخلہ

علامہؒ کی دیوبند میں حاضری اور حضرت شیخ الہندؒ سے وابستگی آپ کی تعمیر شخصیت اور خوش نصیبی کے اس دور کا آغاز ہے جس نے آپ کی شخصیت کو نئی روحانی زندگی بخشی اور معقولات کے اس جال (جو بہتوں کے لئے بدعقیدگی اور اسلافؒ سے بدظنی کا باعث بن گیا) سے نجات حاصل ہوئی۔ یہاں (دارالعلوم دیوبند) کے اساتذہ و اکابر کے عارفانہ حقائق بطور محسوسات آپ کے سامنے آئے تو جیسے علامہ کی زندگی کا رخ ہی بدل گیا اور وہ حقیقی راہ نصیب ہوئی جو صراطِ مستقیم کی صحیح مصداق اور بلاشبہ فوز و فلاح کی ضامن تھی۔ خود علامہؒ بطور تشکر و امتنانِ خداوندی اور برائے اظہار واطمینان اپنی زندگی کے اس خوشگوار موڑ کے متعلق ارشاد فرماتے تھے:

"اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہوگیا جو میں دیوبند آ گیا اور حضرت شیخ الہندؒ کے دامن سے وابستہ ہوگیا کیونکہ جب میری عمر ۱۶ر سال کی تھی اور میں شرح جامی پڑھتا تھا تو کچھ ماحول سے متاثر ہوکر طبیعت بدعت کی طرف مائل ہوگئی تھی، چنانچہ میں فاتحہ خوانی وغیرہ کے مراسم میں برابر شریک ہوتا تھا۔"

اس کے بعد حضرت علامہؒ نے ایک حدیث بیان فرمائی، ارشاد فرمایا:

"حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مرض الموت میں بیان فرمایا کہ میری عمر کے تین حصے ہیں۔ ایک حصہ وہ کہ اگر میں اس میں مر جاتا تو دوزخ میں جاتا، اس کے بعد دوسرا حصہ یہ ہے کہ اگر اس وقت مرجاتا تو بے حساب جنت میں جاتا اور تیسرا یہ کہ نجات دشوار معلوم ہو رہی ہے، دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔"

حضرت علامہؒ نے فرمایا کہ اسی طرح میری عمر کے تین حصے ہیں۔ ایک ابتدائی حصہ جس کا ذکر میں نے ابھی کیا ہے، دوسرا حصہ حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت کا اگر میں اس وقت مرجاتا تو بہت اچھا تھا۔" فرمایا:

''مولوی صاحب! حضرت شیخ الہندؒ کی صحبت عجیب تھی، حضرت کی کوئی خانقاہ نہیں تھی، بس درسگاہ ہی خانقاہ ہوتی تھی اور درسِ حدیث توجہ تھی۔''

''مولوی صاحب! حضرت کی توجہ کا یہ عالم تھا کہ طالب علم جب آتا تھا تو کوئی بھی اس کی طرف نظر التفات نہیں کرتا تھا، لیکن ایک سوا مہینے کے بعد جب وہ بازار کو جاتا تو چہرے پر اس قدر نور ہوتا تھا جس کو دیکھ کر غیر مسلم دوکاندار بھی کھڑے ہو ہو کر اور جھک جھک کر سلام کیا کرتے تھے۔''

''مولوی صاحب! ایک صوفی حضرت کی خدمت میں آیا، اس کے اضطراب کا یہ عالم تھا کہ آنسو نہ تھمتے تھے، لیکن جب درسگاہ میں حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے جا کر بیٹھا تو تھوڑی دیر کے بعد ہنستا ہوا باہر چلا گیا اور وہ اضطراری کیفیت سب ختم ہوگئی۔''

حضرت علامہ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! حضرت شیخ الہندؒ فرمایا کرتے تھے، بدعتوں کی ابتداء نمائشی خانقاہ ہی سے ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہمارے حضرت نے کوئی خانقاہ نہیں بنائی، آج کل تو چھوٹے چھوٹے پیر لوازماتِ پیر ساتھ رکھتے ہیں، ہمارے اسلاف کے یہاں یہ ساری چیزیں معیوب سمجھی گئی ہیں۔''

اس کے بعد علامہ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! حضرت (شیخ الہندؒ) کی صحبت کا زمانہ جس کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ اگر میرا انتقال اس وقت ہو جاتا تو بلاشبہ میری مغفرت ہو جاتی، اس کے بعد کا زمانہ تو بہت ہی خراب گذرا، اب دیکھئے اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔''

یہ فقرہ ادا کرتے وقت حضرت علامہ کی آواز بھرا گئی۔ ملاحظہ فرمایئے خشیت الٰہی کی وجہ سے علامہ کا کیا حال تھا۔ ان لوگوں کا بھی عجیب حال ہے کہ ہر حال میں مضطرب ہی رہتے ہیں۔ (۱)

(۱) از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب، دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۱۹ تا ۲۱

بہر حال آپ ۲۶-۱۳۲۵ھ میں دارالعلوم دیوبند دورۂ حدیث کیلئے حاضر ہوئے، حکیم جمیل الدین صاحب نگینوی کا سفارشی خط ساتھ تھا، مولانا محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے امتحانِ داخلہ کے واسطے آپ کو حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں پیش کیا، سوالات وجوابات میں حضرت شیخ الہندؒ کی حقیقت شناس نظروں نے تاڑ لیا کہ ان پر معقولاتی رنگ غالب ہے اور دینیات کا عنصر مغلوب (واقعہ بھی یہی تھا چونکہ آپ نے معقولات میں ہندوستان کے ایک مسلم مکتبۂ فکر سے استفادہ کیا تھا، نیز مولانا محمد فاروق چریاکوٹی بھی معقولات کے امام مانے جاتے تھے)، اس لئے شیخ الہندؒ نے (دینیات کی) اس کمی کو پورا کرنے کیلئے بجائے درجہ مطلوبہ (دورۂ حدیث) کے درجۂ ممتحنہ ہی میں داخلہ کا مشورہ دیا جسے علامہ نے بسر وچشم قبول کیا۔ اس سال آپ نے مشکوٰۃ شریف، ہدایہ اور متنبّی وغیرہ کتب پڑھیں۔

حضرت شیخ الہندؒ سے خصوصی تعلق

حضرت شیخ الہندؒ سے بالمشافہ ملاقات کا اگرچہ یہ پہلا موقع تھا مگر غائبانہ عقیدت قیام جونپور کے زمانے ہی سے قائم تھی، چنانچہ امتحانِ داخلہ کے بعد شام کو حضرت شیخ الہندؒ کے دولت کدے پر حاضر ہوئے، مولانا محمد فاروق صاحب کا سلام اور حکیم جمیل الدین صاحب کی جانب سے فرستادہ تیل وعطریات کے ہدایا خدمت اقدس میں پیش کیے، جن کو شرفِ قبولیت سے نوازا گیا۔

عشاء کے بعد پھر حاضری ہوئی اور سر میں تیل لگانے کے لئے اپنی خدمات پیش کیں جو بنظرِ استحسان قبول کر لی گئیں، اور پھر حضرت شیخ الہندؒ سے تعلق وخدمت کا یہ سلسلہ چل نکلا اور روزانہ بعد العشاء سر میں تیل لگانا، مکان سے درسگاہ تک حضرت کی مخصوص کتاب ترمذی شریف اور پانوں کی ڈبیہ لانے لیجانے کی سعادت حضرت علامہ کے حصہ میں طویل عرصہ تک آتی رہی۔

سعادتِ بیعت

دیوبند آئے ہوئے ایک سال مکمل ہورہا تھا، سالانہ امتحانات جاری تھے، شیخ الہندؒ سے قربت اور خصوصی تعلق وخدمت کے سبب آپ کی عظمت ومحبت اور خلوص وللّٰہیت کا گہرا نقش علامہ کے دل پر قائم ہوچکا تھا، آپ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت ہونا چاہتے تھے مگر مشکل یہ تھی کہ حضرتِ اقدس کسی طالب علم کو بیعت نہ فرماتے تھے، آپ نے اپنی اس قلبی کیفیت، بے پناہ شوق اور دلی جذبے کا اظہار مولانا عبدالصمد صاحب نگینوی (مدرس دارالعلوم دیوبند) سے کیا، وہ علامہ کا خلوص اور قلبی اضطرار دیکھ کر تعاون پر رضا مند ہوگئے اور فرمایا کہ ''آج شیخ الہند میرے کمرے میں سوالات کے پرچے بنائیں گے تم دودھ لیکر آجانا'' علامہ کی خوشی کا ٹھکانہ نہ تھا (کیونکہ حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت اور تحصیل حدیث معمولی شرف نہیں جو ہر ایک کے مقدر کا حصہ بن سکے) گو ہر مقصود پانے کی امید بندھ چلی تھی۔ آپ وقت مقررہ پر دودھ لے کر پہنچے، مولانا عبدالصمد صاحب نے موقع غنیمت دیکھتے ہوئے علامہ کو حضرت شیخ الہندؒ کے سامنے پیش کر کے بیعت کی درخواست کی، حضرت شیخ الہندؒ نے حسب معمول عذر فرما دیا مگر مولانا موصوف کی باصرار سفارش اور اس یقین دہانی پر کہ ''یہ اپنے علمی راستے سے نہیں ہٹیں گے ان پر پورا اعتماد ہے'' حضرت شیخ الہندؒ خاموش ہوگئے جو ''السکوت یدل علی الرضا'' والی خاموشی تھی اور بالآخر علامہ کو اسی کمرے میں بیعت فرمایا، اسی واقعہ کے سبب اس روز امتحان کے پرچے میں نصف گھنٹہ کی تاخیر بھی ہوگئی۔(۱)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی سے پہلی ملاقات

۲۷-۱۳۲۶ھ کا تعلیمی سال شروع ہوا اس سال علامہ کا دورۂ حدیث شریف تھا، آپ کے ساتھیوں میں مولانا عبدالشکور بلیاوی کے علاوہ مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادیؒ بھی تھے۔ ایک روز حسب معمول آپ درس میں حاضر ہوئے اور عبارتِ

(۱) مستفاد از ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۲ء، از مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہٗ

حدیث کی قراءت شروع کی، ایک نو وارد (عربی قبا میں ملبوس) آئے اور علامہ سے کتاب چھین کر بلا تکلف عبارت پڑھنے لگے، علامہ کو انکی اس بظاہر غیر اخلاقی حرکت پر غصہ تو بہت آیا (جو مذکورہ صورتِ حال میں ایک فطری تقاضا تھا) مگر حضرت شیخ الہندؒ کا ان (نو وارد) کے ساتھ انشراح اور حسن تعامل دیکھ کر سمجھ گئے کہ یہ حضرت کے کوئی خاص آدمی ہیں اس لئے خاموش رہ گئے۔ یہ تھی شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ سے علامہ کی پہلی پر لطف ملاقات جو شیخ الاسلام کے مدینہ منورہ سے دوبارہ تشریف لانے پر ہوئی۔ اسی سال حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ سیاحت کے بعد حضرت شیخ الہندؒ کی ہجرت کی خبر سن کر دوبارہ دیوبند تشریف لائے اور شریک سماعت رہے۔ اس طرح علامہ کشمیری کے ہم درس ہونے کا شرف بھی آپ کے حصہ میں آ گیا۔

تکمیل درسیات وسفر کلکتہ

شعبان ۱۳۲۷ھ میں آپ نے دورۂ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اس موقع پر حضرت شیخ الہندؒ نے علامہ اور دیگر فارغ التحصیل مخصوص طلبہ کو نو درہ سے متصل جنوبی درسگاہ میں جمع فرمایا، پہلے تو آپ نے حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندیؒ (مرید خاص حضرت نانوتویؒ) کی حکایت بیان کی کہ ان کے یہاں کوئی اولاد نرینہ نہیں تھی، انہوں نے اپنے گذران اور تکمیل ضروریات کے لئے اپنے پاس رس پکانے کے نو کڑھائے رکھ چھوڑے تھے، جن کے کرایہ سے تمام سال کے اخراجات پورے ہوتے تھے، وہ کہتے تھے کہ بھائی میرے یہ نو کڑھائے میرے نو کماؤ لڑکے ہیں۔ انہیں کو میں اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔

شیخ الہندؒ نے حکیم صاحب کی یہ حکایت نقل کرنے کے بعد نہایت جذباتی لہجہ اور پرجوش انداز میں فرمایا:

> ''بھائی میری کوئی نرینہ اولاد نہیں ہے، تم ہی سب میری اولاد ہو، جاؤ مدرسہ کے لئے کام کرو اور جلسۂ دستار بندی کے لئے چندہ جمع کرو۔''

چنانچہ دو دو طالب علموں کی جوڑیاں بنا کر مختلف مقامات کے لئے روانہ کی گئیں۔ حضرت علامہ کا ردیف سفر (ہم درس ہونے کے ساتھ ساتھ ہم وطن ہونے کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے) مولانا عبدالشکور صاحب بلیاوی کو بنا کر اس جوڑی کو کلکتہ کی جانب روانہ کیا گیا، اور بفضل خداوندی یہ اپنے مقصد میں شاندار کامیابی کے ساتھ واپس ہوئے۔

حضرت علامہ کے اساتذۂ کرام

جس طرح کسی درخت کی مضبوطی، عمدگی اور افادیت کا اندازہ اس کی جڑ اور پھلوں سے کیا جا سکتا ہے اسی طرح کسی کے علم کی پختگی، پائیداری اور افادیت دیکھنی ہو تو اس کا ایک اچھا اور سلجھا ہوا معیار اسکے اساتذہ و تلامذہ ہوتے ہیں۔ ایک سبب کمال اور باعث قوت ہوتا ہے اور دوسرا وجہ شہرت و نیک نامی۔ علامہؒ کے اسلاف واخلاف پر جیسا کہ ہم نظر ڈالتے ہیں تو وہ ہمیں اس بارے میں بہت زیادہ خوش قسمت نظر آتے ہیں۔ اپنے والد محترم مولانا عبدالرحیم صاحب کے علاوہ جن حضرات سے حضرت علامہ بلیاوی نے باقاعدہ وباضابطہ علمی استفادہ اور کسب فیض کیا ان میں سے چند معروف حضرات کا اجمالی ذکر برکۃً یہاں کیا جاتا ہے۔

جناب مولانا حکیم جمیل الدین صاحب نگینویؒ

آپ نے ۱۲۹۹ھ میں دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی۔ نگینہ (ضلع بجنور) آپ کا مولد تھا، علوم دینیہ اور طب دونوں میں رسوخ حاصل تھا۔ طویل عرصہ تک صاحب الرائے اور قابل احترام رکن کی حیثیت سے مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے ممبر رہے۔

آپ حضرت گنگوہی کے ارشد تلامذہ میں ہیں۔ نہایت مستقیم الحال اور پابندِ شریعت عالم تھے۔ حضرت علامہ کے والد ماجد مولانا عبدالرحیم صاحب سے حکیم صاحب کے خصوصی تعلقات تھے۔ موصوف، حکیم صاحب کے متعلق فرمایا کرتے تھے

کہ جس کا دل صحابہ کو دیکھنے کے لئے چاہے، حکیم صاحب ان کا نمونہ موجود ہیں، ان کو دیکھ لے۔ غالباً حکیم عبدالمجید خان صاحب سے باقاعدہ طب کی تعلیم حاصل کی تھی، طب اور تعلیم کا سلسلہ مدت العمر جاری رہا، حکیم اجمل خان صاحب مرحوم ان کے ممتاز تلامذہ میں سے تھے، علامہؒ نے آپ سے فارسی کی تمام کتابیں اور ابتدائی عربی شرح مأتہ عامل تک پڑھی ہے۔

اخیر میں حکیم جمیل الدین صاحب نے دہلی میں سکونت اختیار فرمالی تھی اور یہیں کے ہوکر رہ گئے اور بالآخر ۱۳۵۵ھ میں وفات پائی۔ قدس سرہ العزیز۔

مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی

ایک زمانے میں ہندوستان میں یہ چار خاندان علمی طور پر مشہور رہے ہیں۔ (۱) خاندان ولی اللٰہی، جس کا مرکز دہلی تھا۔ (۲) خاندان خیرآبادی، جس کا مرکز خیرآباد تھا۔ (۳) علمائے فرنگی محل، جن کا مرکز لکھنؤ تھا۔ (۴) خاندان چریاکوٹی، جس کا مرکز چریاکوٹ تھا۔

مولانا محمد فاروق صاحب مؤخرالذکر خاندان کے مشہور و ممتاز عالم تھے۔ آپ عباسی شیوخ میں سے تھے۔ ضلع اعظم گڑھ میں ایک آبادی کا نام چریاکوٹ ہے جو آپ کا مولد و منشاء ہے اسی نسبت سے آپ کو چریاکوٹی کہا جاتا ہے۔ فقہ، اصول فقہ اور معقولات میں آپ کو مکمل دستگاہ تھی۔ ایک کامیاب وکیل ہونے کے باوجود مزاج ہمیشہ علمی رہا اور سلسلۂ درس و تدریس کو قائم رکھا۔ آپ نے مختلف مقامات پر تدریسی خدمات انجام دیں۔ آپ سے خصوصی استفادہ کرنے والوں میں علامہ شبلی نعمانیؒ بھی شامل ہیں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء قائم ہوا تو اسی تعلق کی بنیاد پر علامہ شبلی نے ان کو ندوہ میں بلالیا جہاں آپ نے پانچ سال نہایت کامیابی اور نیک نامی کے ساتھ علمی و تدریسی خدمات انجام دیں۔ کانپور رہتے ہوئے علامہ کو آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا۔ پھر ۱۹۰۴ء میں بسلسلۂ وکالت جبکہ بلیا میں آپ کا قیام تھا، علامہ کو آپ سے

فیضیابی کا موقع ملا اور علامہؒ نے معقولات کی تقریباً تمام کتابیں مولانا چریاکوٹی سے پڑھیں۔ شروع میں آپ علمائے دارالعلوم سے معاصرانہ چشمک اور ایک طرح کا اختلاف رکھتے تھے جو غلط روایات واطلاعات کی بنیاد پر تھا۔ مولانا محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) سے ملاقات کے بعد یہ نفرت مبدل بہ الفت ہوگئی اور علامہ کو تکمیل کے لئے دیوبند جانے کی اجازت دیدی جو ایک طرح سے علامہ کے دیوبند پہنچنے کا غیبی سامان تھا۔ آپ کی وفات ۲۸/ اکتوبر ۱۹۰۹ء مطابق رمضان ۱۳۲۷ھ میں ہوئی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً

حضرت مولانا عبدالغفار صاحبؒ

مولانا چریاکوٹی سے جب فلسفہ کی کتابیں پڑھ کر دینیات کی طرف میلان بڑھا تو مولانا موصوف سے نوانگر جاکر استفادہ کیا۔ مولانا کا اصل وطن مئو ضلع اعظم گڑھ تھا۔ قراءت خلف الامام، رفع یدین وتقلید میں متعدد رسائل آپ کے شائع ہوئے۔ حدیث میں آپ حضرت گنگوہیؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے۔ تذکرۃ الرشید میں بھی آپ کا ذکر خیر موجود ہے۔ دوسال کے قریب رہ کر علامہ نے آپ سے ہدایہ اولین وآخرین، درمختار اور توضیح تلویح وغیرہ کتابیں پڑھیں۔

حضرت مولانا ہدایت اللہ صاحب رامپوریؒ

آپ سلسلۂ خیرآباد کے نامور مدرس علامہ فضل حق خیرآبادی کے تلمیذ رشید اور مدرسہ حنفیہ امام بخش جونپور کے صدر مدرس تھے۔ آپ علوم عقلیہ ونقلیہ میں کامل مہارت رکھتے تھے، علامہ نے معقولات کی انتہائی کتابوں کے ساتھ ساتھ مشکوٰۃ شریف کا کچھ حصہ بھی ان سے پڑھا ہے۔

آپ سے استفادہ کیلئے جب علامہ جونپور حاضر ہوئے تو آپ کی عمر ایک سودس (۱۱۰) برس تھی۔

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ

آپ ۱۲۶۸ھ میں بمقام بریلی پیدا ہوئے جہاں بسلسلۂ ملازمت آپ کے والد محترم کا قیام تھا۔ ابتدائی تعلیم میانجی منگلوری اور میانجی عبداللطیف سے پائی، یہ دونوں بزرگ ہستیاں تھیں۔ اس کے بعد عربی فارسی کی تعلیم شروع کی اور مولانا مہتاب علی صاحب دیوبندی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کئے جو رشتہ میں آپ کے حقیقی چچا تھے۔

آپ تہذیب وقدوری وغیرہ پڑھ رہے تھے کہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا اور کاتب تقدیر کا یہ نوشتہ پورا ہوا کہ آپ اس عظیم الشان دینی درسگاہ کے ''طالب علم اول'' بنے جہاں آپ نے مولانا ملا محمود صاحب دیوبندیؒ سے تحصیل علوم کیا اور بعدازاں بعض انتہائی کتب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے پڑھیں۔

آپ حضرت نانوتویؒ کے تیسرے درجہ کے شاگردوں میں شمار ہوتے تھے مگر استاذ کے ادب واحترام، تعلق وخدمت، محنت وجدوجہد اور تقویٰ وپرہیزگاری کے سبب بفضل خداوندی فیضانِ قاسمی سب سے زیادہ آپ ہی سے جاری ہوا۔ بالکل اسی طرح جیسے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے تلامذہ میں شاہ اسحٰق صاحبؒ سب سے زیادہ غبی اور کند ذہن مشہور تھے مگر خاندانِ ولی اللّٰہی کا فیض انہی سے جاری وساری ہوا، بڑے بڑے ذہین وذکی علماء دھرے کے دھرے رہ گئے۔

آپ نے ۱۲۸۹ھ میں فراغت حاصل کی اور ۱۲۹۰ھ میں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے۔ اس پر مزید خوش نصیبی یہ کی خود بانئ دارالعلوم دیوبند کے ہاتھوں یہ عظیم سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۲۹۱ھ میں دارالعلوم ہی میں آپ کو معین مدرس کے طور پر رکھ لیا گیا۔ ایک سال بعد ۱۲۹۲ھ میں بطور مدرس چہارم خدمت تدریس پر مامور کیا گیا، اور پھر ۱۳۰۸ھ میں مولانا سید احمد دہلویؒ کے استعفیٰ کے بعد دارالعلوم کی صدارتِ تدریس آپ کے سپرد ہوئی جس پر آپ ۱۳۳۳ھ تک فائز رہے۔

تحریک استخلاص وطن میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، اسی سلسلہ میں ۱۳۳۳ھ میں حجاز شریف سے آپ کو حکومت برطانیہ کے ذریعہ قید کر کے مالٹا بھیج دیا گیا۔ ۱۳۳۸ھ میں رہائی کے بعد ہندوستان تشریف لائے۔ آپ نے متعدد وقیع علمی تصانیف چھوڑیں۔ آپ کے شاگردوں میں بڑے بڑے مجاہد، محقق، علامہ، فہامہ، مصنف، محدث، مفسر، داعیان حق، متکلمین اسلام اور بحر ذخار علماء شامل ہیں۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کی تاسیس میں بھی آپ پیش پیش تھے۔

جدوجہد آزادی میں پانچ برس کے قریب قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ زمانۂ اسارت ہی میں ترجمۂ قرآن کا اکثر حصہ تالیف فرمایا جس کو منجانب اللہ زبردست مقبولیت حاصل ہوئی۔ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس ترجمۂ قرآن پر حواشی تحریر فرمائے ہیں جس سے اس کی افادیت دوبالا ہوگئی ہے۔ چند سال قبل حکومت سعودیہ نے بھی اس ترجمہ کو لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے حجاج کرام اور دنیا بھر میں عام مسلمانوں کو ہدیۃً تقسیم کیا۔

آپ کی وفات ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ کی صبح دہلی میں ہوئی۔ قبرستان قاسمی دیوبند میں آرام فرما ہیں۔ رفع اللہ درجاتہ۔

حضرت علامہ نے آپ سے بخاری شریف، ترمذی شریف، بیضاوی شریف اور شمائل ترمذی پڑھیں اور برسوں آپ کی خدمت بابرکت میں رہنے اور قربِ خاص کی سعادت نصیب ہوئی، یہ حضرت علامہ کی بڑی خوش نصیبی ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ سے شرفِ تلمذ ایسی معمولی چیز نہیں، اس کی قدر ان حضرات سے پوچھئے جو اس سعادت کی صرف تمنا و تڑپ لے کر دارالبقاء کو رخصت ہوئے۔ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ بھی انہیں حضرات میں شامل ہیں، خود انہیں کے الفاظ ملاحظہ کیجئے اور اس سعادت سے محرومی کے درد و احساس کا اندازہ کیجئے۔ فرماتے ہیں:

"۱۳۳۳ھ میں میں نے کوشش کر کے مشکوٰۃ و جلالین وغیرہ کے وہ اسباق

پورے کر لئے جن کے بعد دورۂ حدیث کا نمبر آتا ہے، تمنا یہ تھی کہ اگلے سال حضرت شیخ کی خدمت میں صحیح بخاری پڑھنے کا موقع مل جائے گا مگر اسی سال رمضان میں یہ خبر سنی جانے لگی کہ حضرت کا ارادہ سفر حج کا ہے، رفتہ رفتہ اس کی تیاریاں سامنے آ گئیں، کوئی کہتا تھا کہ ہجرت کر کے جا رہے ہیں، کسی کا خیال تھا کہ ترکی حکومت کی امداد کے لئے سفر ہے، ہم بڑی حسرت کے ساتھ یہ مناظر دیکھتے رہے، بالآخر حضرت حج کے لئے تشریف لے گئے اور عالمگیر جنگ عظیم چھڑ گئی۔ ۱۳۳۴ھ پورا حضرت کا حجاز میں صرف ہوا۔ احقر نے اس سال اپنا دورۂ حدیث اس امید پر ملتوی کیا کہ حضرت واپس آ جائیں گے تو دورۂ حدیث ان کے سامنے ہوگا، اس سال فنون کی بقیہ کتابیں لے لیں، مگر بحکم قضا وقدر وہ ۱۳۳۵ھ میں اسیر ہو کر مالٹا جیل بھیج دیئے گئے اور ساری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ (۱)

مولانا الحاج حکیم محمد حسن صاحبؒ

آپ نے اپنے برادرِ اکبر حضرت شیخ الہندؒ کے علاوہ گنگوہ قیام فرما کر حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے حدیث پاک اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ دارالعلوم میں اور بھی بعض دیگر اساتذہ سے کسب فیض کیا۔ حضرت گنگوہیؒ سے آپ کو شرفِ بیعت بھی حاصل ہے۔ طب کی تعلیم دہلی میں حکیم عبدالمجید خاں سے حاصل کی۔

۱۲۹۵ھ میں دارالعلوم سے فراغت پائی۔ ۱۳۰۲ھ میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی وفات کے بعد مدرسِ عربی وطبیب کی حیثیت سے تقرر ہوا۔ طلبائے دارالعلوم کو طب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے علاج ومعالجہ کی خدمت بھی آپ کے سپرد ہوئی۔ اسی کے ساتھ تفسیر وحدیث اور فقہ کی اعلیٰ کتابیں بھی ان کے اسباق میں رہتی تھیں۔ لکھا ہے:

(۱) مجالس حکیم الامت ص ۱۱ تا ۱۲، از مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ

’’دارالعلوم کو ایک ایسے عالم کی ضرورت تھی جو علوم درسیہ کے علاوہ طب کی تعلیم بھی دے سکے اور حسب ضرورت طلباء کی مدارات بھی کر سکے، اس ضرورت کے تحت ۱۳۰۲ھ میں ان کا تقرر ہوا اور اس وقت سے برابر ہر قسم کی درسی کتب کے درس میں مشغول ہیں اور اسی کے ساتھ تعلیم طب اور مطب کی خدمت بھی انجام دیتے ہیں۔‘‘(۱)

حضرت شیخ الہندؒ سے حالانکہ عمر میں چھوٹے تھے، مگر آپ ان کا بہت ادب واحترام کرتے تھے، جن دنوں حضرت شیخ الہندؒ مالٹا میں اسیر تھے تو خطوط میں پورے خاندان کو ان کی تعظیم واطاعت کی تاکید فرماتے تھے۔

محدثِ کبیر حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب رقم طراز ہیں:

’’حکیم صاحب بھی عجیب جامع الکمالات عالم ہیں، ایام تلمذ وحاضری میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی سعادت شفقت وامتیاز حاصل فرمائی، متعدد حج بطمانینت ادا کئے۔ دارالعلوم کی مدرسی وطبابت اور اپنا مطب اور اہل شہر کا معالجہ کرنے کے ساتھ ہی اپنے والد ماجد کے اموال وجائداد کا انتظام وتکفل سب آپ ہی کرتے ہیں اور مشغلۂ سیر وشکار بھی ہاتھ سے نہیں جاتا۔‘‘(۲)

۴۳ر سال تک دارالعلوم دیوبند میں علمی وطبی خدمات انجام دینے کے بعد ۱۵ر ربیع الاول ۱۳۴۵ھ کو وفات پائی۔ قبرستانِ قاسمی میں استراحت فرما ہیں۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔ حضرت علامہ نے ان سے مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی تحصیل کی۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ

آپ دارالعلوم کے مفتیٔ اول، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کے برادر ہیں۔ ولادت ۱۲۷۵ھ میں ہوئی، حکیم محمد حسن صاحب کے ہم درس تھے،

(۱) روداد سالانہ (دارالعلوم دیوبند ۱۳۳۳ھ) (۲) حیات شیخ الہندؒ ص ۹

۱۲۹۵ھ میں فراغت پائی۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مخصوص مجلس نشیں اصحاب میں سے تھے۔ آپ کے فتاویٰ کی گیارہ ضخیم جلدیں ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے شائع ہو چکی ہیں۔

فراغت تعلیم کے بعد کچھ عرصہ دارالعلوم میں معین مدرس رہے اور اسی کے ساتھ مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ کی نگرانی میں فتاویٰ نویسی کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔ کچھ عرصہ دیوبند سے باہر دیگر مدارس میں گذارا پھر ۱۳۰۹ھ میں اکابر دارالعلوم نے نائب مہتمم کے عہدہ کے لئے ان کا انتخاب کیا، پھر ایک سال بعد ان کو مفتی و مدرس مقرر کیا گیا۔

آپ کو حضرت مولانا رفیع الدین صاحب سے اجازتِ بیعت حاصل تھی۔ آپ قریب ڈیڑھ سال مکہ معظّمہ میں حضرت حاجی امداداللہ صاحبؒ کی خدمت میں رہے اور روحانی فیض حاصل کیا۔ بالآخر حضرت حاجی صاحبؒ نے بھی آپ کو خلافت سے نوازا۔ حدیث و تفسیر اور فقہ کے اعلیٰ اسباق آپ سے منسلک رہتے تھے۔

حضرت مفتی صاحب بڑے بڑے اہم اور معرکتہ الآراء استفتاء کا جواب قلم برداشتہ اور مراجعت کتب کے بغیر بے تکلف تحریر فرما دیا کرتے تھے، چالیس سال کے قریب آپ نے دارالعلوم کے دارالافتاء کی خدماتِ جلیلہ انجام دیں۔

حضرت مفتی صاحب صرف عالم اور مفتی ہی نہ تھے بلکہ عارف باللہ اور صاحب باطن اکابر میں سے تھے، بیعت وارشاد کا سلسلہ بھی مستقلاً قائم رہتا تھا، اسی کے ساتھ جذبۂ خدمت خلق بدرجۂ کمال تھا۔ جلالین شریف کا اردو ترجمہ اور شاہ عبدالعزیز صاحب کے رسالہ ''میزان البلاغۃ'' کا حاشیہ آپ کی یادگار ہیں۔

آخر میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ آپ بھی دارالعلوم سے علیحدہ ہوکر ڈابھیل تشریف لے گئے تھے۔ ۱۷/ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔ اعلی اللہ درجاتہ

حضرت علامہ نے حضرت مفتی صاحب سے طحاوی شریف، نسائی شریف، ابوداؤد شریف، موطا امام مالک اور موطا امام محمد کی تحصیل فرمائی۔

حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ

آپ بانیٔ دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے فرزند ارجمند ہیں۔ ولادت ۱۲۷۹ھ میں ہوئی، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی اور مدرسہ شاہی مرادآباد میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد انتہائی کتب کی تحصیل حضرت گنگوہیؒ اور مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سے فرمائی۔ ۱۳۰۰ھ میں فراغت حاصل کی اور ۱۳۰۳ھ میں دارالعلوم میں تقرر ہوا اور تقریباً ۴۴ رسال تک مختلف حیثیات سے دارالعلوم دیوبند کی شاندار خدمات انجام دیتے رہے۔

۱۳۲۸ھ کا عظیم الشان جلسۂ دستار بندی آپ کے حسن انتظام کا ایک تاریخی باب ہے۔ دارالحدیث کی مقدس و عالیشان عمارت جو اپنی نوعیت کی ہندوستان بھر میں پہلی عمارت ہے آپ ہی کے عہد میں تیار ہوئی۔

برطانیہ حکومت کی طرف سے آپ کو ''شمس العلماء'' کا خطاب دیا گیا اور ایک بڑی جاگیر کی پیشکش بھی ہوئی تھی، مگر آپ نے دارالعلوم کے حریت پسندانہ مسلک کی وجہ سے حکومت کا خطاب یافتہ ہونا پسند نہیں کیا، چنانچہ خطاب واپس کردیا گیا۔ نظام حیدرآباد نے آپ کو ریاست حیدرآباد دکن کے مفتیٔ اعظم کے عہدے پر مقرر فرمایا تھا، حکومت آصفیہ کے اس اہم منصب پر آپ قریب تین سال فائز رہے۔

حیدرآباد سے آتے ہوئے ۳رجمادی الاول ۱۳۴۷ھ کو ریل میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ حضور نظام کی خواہش پر جنازہ واپس حیدرآباد لے جایا گیا اور وہیں ''خطۂ صالحین'' میں تدفین عمل میں آئی، رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً۔ حضرت علامہ نے آپ سے مشکوٰۃ شریف کی تحصیل فرمائی۔

حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانیؒ

آپ حضرت علامہ بلیاویؒ کے ہم عمر تھے، چنانچہ دونوں حضرات کا سن ولادت ایک ہی ہے، حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہیں سے تعلق بیعت حاصل تھا۔ ۱۳۲۵ھ میں درسیات کی تکمیل کی اور چند ماہ کیلئے یہیں تدریس پر مامور ہوئے، اسی سال علامہ دارالعلوم میں داخل ہوئے تھے، اسی مدت میں آپ سے کسب فیض کا موقع ملا۔ اس کے بعد مدرسہ فتح پوری دہلی کی مسند صدارت کو رونق بخشی، کچھ عرصہ بعد دارالعلوم میں بلا لئے گئے۔ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی خاص نظر تھی۔

دورِ اختلافات میں حضرت شاہ صاحب کے ساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ ۱۳۵۲ھ میں وہاں شیخ الحدیث مقرر ہوئے، ۱۳۵۴ھ میں حضرت تھانوی اور بعض دوسرے اکابر کے مشورے پر دارالعلوم میں تشریف لائے اور ۱۳۶۲ھ تک صدارتِ اہتمام کو رونق بخشی۔

تحریر وتقریر میں خاص ملکہ تھا بہت سی کتابیں اور رسائل آپ کی یادگار ہیں، ان میں مسلم شریف کی عربی شرح کو صدر مقام حاصل ہے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمۂ قرآن پر آپ کے لکھے ہوئے حواشی بھی علمی دنیا کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔

سیاسیات میں آپ نے قائدانہ کردار ادا کیا، شروع میں جمعیۃ العلماء ہند کے ساتھ شریک رہے، پھر مسلم لیگ میں شامل ہوگئے جو سیاسی بصیرت ورجحان میں حضرت تھانویؒ کی ہم نوائی کا نتیجہ تھا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان چلے گئے اور آخر تک کراچی میں قیام رہا، وہاں بہت سے اہم عہدوں پر فائز رہے۔ ۲۱؍صفر ۱۳۶۹ھ (۱۹۴۹ء) کو چند گھنٹہ کی مختصر علالت کے بعد وفات پائی۔ رفع اللہ درجاتہ

علامہ بلیاوی ان کا بڑا احترام کرتے تھے، اپنی عربی شرح ترمذی (خوش قسمتی سے یہ غیر مطبوعہ حالت میں احقر کے پاس ہے جو بڑے سائز کے قریب بارہ سو

صفحات پر مشتمل ہے، خدا کرے کہ اس کی اشاعت کا کوئی غیبی سامان منجانب اللہ ہو جائے) میں جگہ جگہ آپ کا ذکر اس طور پر فرماتے ہیں "قال الاستاذ رحمه الله فی شرحه للمسلم"۔

جب علامہ عثمانیؒ کا انتقال ہوا تو حضرت علامہ صاحبؒ نے آبدیدہ ہوکر فرمایا کہ آج میرے سب سے آخری استاذ کا انتقال ہوگیا، علامہ عثمانیؒ آپ سے ہمیشہ مساویانہ اور معاصرانہ معاملہ فرماتے تھے، معتبر علمی حلقے جانتے ہیں کہ علامہ عثمانیؒ کے علمی کارنامے علامہ کے علمی تعاون اور تحقیقی جانفشانیوں سے خالی نہیں ہیں۔ آپ دونوں کی طویل عرصہ رفاقت کی وجہ سے خیالات اور رجحانات میں تقریباً مکمل ہم آہنگی تھی، اسی سبب سے علامہ بلیاوی تحریک پاکستان سے وابستہ رہے اور ۱۳۶۲ھ میں ڈابھیل چلے گئے، ورنہ سب جانتے ہیں کہ علامہ بلیاوی ہندوستان کی عرفی سیاست سے قطعًا متنفر اور یکسو تھے اور اس سلسلہ میں آپ مولانا تھانویؒ کے بالکل ہم خیال اور انہیں کے پیرو تھے۔

علامہ عثمانی نے پاکستان چلے جانے کے بعد متعدد بار علامہ بلیاوی کو پاکستان تشریف لے آنے کی دعوت دی مگر علامہ بلیاوی دارالعلوم دیوبند اور اپنے اکابرین کے دیار کو چھوڑ کر جانے پر خود کو تیار نہ کر سکے۔ علامہ بلیاوی نے آپ سے ہدایہ، متنبّی وغیرہ کتب پڑھیں۔

اگرچہ کوئی تحریری ثبوت نہیں مگر غالب گمان یہ ہے کہ مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ سے بھی آپ کو ضرور شرفِ تلمذ رہا ہوگا۔ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہ العالی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے کہ آپ نے علامہ کشمیری سے بھی مدرسی کے زمانے میں استفادہ کیا ہے، تاہم اپنی عربی شرح میں بعض مسائل میں علامہ بلیاوی نے جہاں حضرت علامہ کشمیری کا ذکر کیا ہے وہاں استاذ کا لفظ نہیں لکھا، واللہ اعلم بالصواب۔

علامہ ابراہیم صاحب کی فراغت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔

بابِ دوم

آغازِ تدریس

رمضان ۱۳۲۷ھ میں سفر کلکتہ سے آپ نہایت شاندار کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے فرمایا کہ ''مولانا مبارک ہو'' آپ یہ سمجھے کہ شاید مقصد سفر کی شاندار کامیابی پر مبارکباد دی جارہی ہے آپ نے عرض کیا ''حضرت یہ سب آپ حضرات اور دارالعلوم کی برکت ہے'' حضرت حافظ صاحب نے فرمایا ''مولانا میری یہ مراد نہیں ہے بلکہ یہ کہ مدرسہ فتح پوری دہلی کی دوم مدرسی کے لئے حضرت صدرالمدرسین (شیخ الہندؒ) نے تمہارا انتخاب فرمایا ہے'' مدرسِ اول علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور سوم مدرسی کے لئے مولانا عبدالسمیع صاحب کو منتخب کیا جاچکا تھا۔

اس وقت فتح پوری کے مدرسِ دوم مشہور معقولی مولانا عبدالعزیز ولایتی (تلمیذ مولانا عبدالحق خیرآبادی) تھے، علامہؒ ان کے تدریسی تجربے، کمالِ علمی اور فنی مہارت کی بنیاد پر وہاں کے ماحول پر چھوڑے ہوئے انکے اثرات اور ان کی علمی شہرت وعظمت کے پیش نظر ہچکچائے اور اپنے اس خلجان کو مولانا محمد سہول صاحب (مدرس دارالعلوم دیوبند) کے سامنے پیش کیا، مگر مولانا نے محبت آمیز فہمائش کی اور وہاں جانے کا حکم دیا، جو گویا ایک طرح سے علامہؒ کی صلاحیت پر اعتماد اور ان کی حوصلہ افزائی

نوٹ: علامہ ابراہیم صاحب کی فراغت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی۔ آپ نے دورۂ حدیث شریف میں مندرجہ ذیل نمبرات حاصل کئے۔

ابوداؤ شریف (۵۰) مؤطاامام مالک (۵۰) بخاری شریف (۴۹) مسلم شریف (۴۹) ترمذی شریف (۴۹) طحاوی شریف (۴۸) ابن ماجہ شریف (۴۷) حمد اللہ (۴۷) مؤطا امام محمد (۴۵) نسائی شریف (۴۴) جلالین شریف (۴۳)۔ روداد سالانہ دارالعلوم دیوبند ۱۳۲۷ھ

تھی، مگر علامہؒ کی یہ ہچکچاہٹ دور نہیں ہوئی اور بالآخر آپ نے حضرت شیخ الہندؒ سے معذرت کرنے کا فیصلہ کرلیا۔

ایک روز حضرت شیخ الہندؒ جب سبق پڑھا کر درس گاہ سے نکلے تو علامہؒ ان کے ساتھ ہولئے اور نہایت رقت آمیز لہجہ میں اپنا یہ تردد ظاہر کرنے کے بعد عرض کیا:

''حضرت میری وہاں جانے کی ہمت نہیں ہوتی'' حضرت شیخ الہندؒ نے یہ سن کر نہایت پرجوش اور ہمت افزا لہجے میں فرمایا:

''تم خود نہیں جارہے ہو میں تمہیں بھیج رہا ہوں۔''

ظاہر ہے کہ اب تعمیل حکم کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا، اس طرح آپ بغرض تدریس مدرسہ فتح پوری دہلی تشریف لے گئے۔

حضرت شیخ الہندؒ کی کرامت یا تصرف

علامہؒ مدرسہ فتح پوری (دہلی) پہنچے تو ہدایہ آخرین، میر زاہد، ملا جلال اور دیوان حماسہ پڑھانے کے لئے اسباق مقرر ہوئے، مطالعہ کرنے بیٹھے تو ہدایہ، میر زاہد اور ملا جلال کے مطالعے سے تو جلد ہی فارغ ہوگئے، لیکن ادب سے مناسبت کی کمی کے سبب دیوان حماسہ کے صرف تین اشعار میں دو گھنٹہ صرف ہوگئے (۱) جبکہ مقررہ قاعدے کے مطابق ایک سبق کے لئے ۲۱ر اشعار پڑھانا ضروری تھے، ایسی صورتِ حال میں آپ کا فکر مند ہونا اک فطری امر تھا۔ تشویش و تکان کی اسی حالت میں آپ کی آنکھ لگ گئی، خواب میں کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہند تشریف لائے اور آپ کے سر کو ہلا کر فرمارہے ہیں ''اٹھ کر کتاب دیکھو'' فوراً ہی آنکھ کھل گئی، خواب کا اثر اتنا قوی تھا کہ حقیقت کا گمان ہوا۔ آپ حضرت شیخ الہند کو دیکھنے کے لئے مسجد اور حوض کی طرف دوڑے لیکن وہ تو لطیفۂ غیبی اور تصرفِ شیخ تھا۔ اب جو کتاب (دیوان حماسہ) کا

(۱) شروع میں عربی ادب سے مناسبت کم تھی بعد میں علامہ کے قلم سے ضیاء النجوم (شرح سلم العلوم) اور شرح ترمذی (قریب ۱۲۰۰ صفحات) جیسی وقیع کتب عربی زبان میں نکلیں۔

مطالعہ کرنے بیٹھے تو کتاب کے مضامین پانی ہو چکے تھے۔(۱)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ کے حال پر حضرت شیخ الہندؒ کی نظر کرم ابتداء سے ہی خصوصی تھی (۲) نیز حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے اس قول ''تم خود نہیں جارہے ہو میں تمہیں بھیج رہا ہوں'' کو عملی طور پر مصدق بھی فرمادیا۔

دستارِ فضیلت

اگلے سال (۱۳۲۸ھ میں) دارالعلوم دیوبند میں عظیم الشان جلسۂ دستار بندی منعقد ہوا جس میں علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی وغیرہم فارغ التحصیل حضرات کے ساتھ علامہ (محمد ابراہیم بلیاوی) بھی دستارِ فضیلت سے مشرف ہوئے۔

اعزازِ اجازت

مدرسہ عالیہ فتح پوری میں قیام کے دوران حضرت شیخ الہندؒ نے جناب حکیم عبداللطیف صاحب دیوبندیؒ کے ذریعہ آپ کو باطنی اجازت (خلافت) سے ان الفاظ کے ساتھ سرفراز فرمایا:

''اب تمہارا کام پورا ہوگیا'' (۳)

اس طرح آپ سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ میں سے تھے، لیکن غلبہ ہمیشہ درس و تدریس کا رہا، سلسلۂ طریقت کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہوئے، اخفائے حال کا ہمیشہ غلبہ رہا اور عمومی طور پر بیعت وتلقین سے ہمیشہ احتراز فرماتے رہے۔ اخیر عمر میں حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادیؒ سے تعلق خاطر قائم فرمایا تو انہوں نے اس معمول کی

---

(۱) حضرت شیخ الہندؒ کی اپنے خدام پر اس قسم کی توجہ بکثرت رہتی تھی۔ علامہ عثمانی کو بیضاوی کا پرچۂ امتحان اور مولانا محمد سہول کو مسلم شریف کا مقدمہ خواب میں پڑھا دیا تھا۔ (مولانا محمد نعیم صاحب، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء)

(۲) اس کا ظہور علامہ کو بیعت کرنے کے واقعہ میں بھی ہو چکا ہے۔

تبدیلی پر نہایت زور دیا، علامہ نے جو انہیں مکتوب ارسال فرمایا اس کی یہ سطور پیش ہیں۔فرماتے ہیں:

''ہاں چند ایسے لوگوں کو جو بڑے اخفاء سے کام لیتے ہیں تعلیم وتلقین کا سلسلہ حضرت شیخ الہندؒ کی اجازت سے جاری رکھتا ہوں، مگر عموم جو حضرت کی خواہش ہے اس کیلئے دعاء کی ضرورت ہے کہ طبیعت جو اجتماع سے متوحش ہوتی ہے اس کی خوگر ہوجائے اور حکم فرمودہ پر عام طور سے کام کرنے لگوں۔'' (۱)

ان سطور سے یہ صاف واضح ہے کہ علامہؒ نہ صرف حضرت شیخ الہندؒ کے مجاز تھے بلکہ سلف کے طریقے پر اس کو جاری بھی رکھتے تھے۔طبیعت میں توحش کا باعث غیروں اور اجنبیوں کے ہمراہ طویل مجالست ہوتا تھا ورنہ تقریبًا پچیس برس تک علامہؒ کے دولت کدہ (علامہ منزل، محلّہ عبدالحق دیوبند) پر مجلس بعد العصر کا معمول رہا، جس میں دارالعلوم کے اکابر اور اجل علماء نیز طلبہ کے ساتھ ساتھ مقامی عوام وخواص کا مجمع رہتا تھا۔

یہاں اس قابل افسوس امر کا اظہار بھی ضروری ہے کہ بہت سے اہل قلم حضرات نے حضرت علامہ کے حضرت شیخ الہندؒ سے سلسلۂ بیعت واسترشاد کو ذکر ہی نہیں کیا، خاص طور سے مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری کا علامہ کو نظر انداز کرنا تو ''تغافل عارفانہ'' ہے، چونکہ فروری ۱۹۶۲ء کے ماہنامہ دارالعلوم میں علامہ کے حالات پر مشتمل مولانا محمد نعیم صاحب کا ایک مضمون شائع ہوا تھا، علامہ کی وفات کے بعد اسی مضمون کو بنیاد بنا کر مولانا موصوف نے ایک مضمون سپردِ قلم فرمایا ہے جو ماہنامہ دارالعلوم (مارچ ۱۹۶۸ء) میں شائع ہوا، جس کے اندر آنجناب نے علامہ کا شیخ الہندؒ سے شرفِ تلمذ کے ساتھ ساتھ بیعت وخلافت کا پورا واقعہ بھی نقل کیا ہے اور مزید اضافات بھی، گویا علامہ کے حالاتِ زندگی کا ایک اہم حصہ مولانا موصوف کی نظر سے ۱۹۶۲ء میں

(۱) ماہنامہ معرفت حق (الٰہ آباد) فروری ۱۹۷۳ء ص ۳۱، ۳۲

گذر چکا تھا، مگر اپنی تصنیف (تذکرہ شیخ الہندؒ جوان کی ۱۹۶۵ء کی کاوش ہے) میں علامہ بلیاوی کی حضرت شیخ الہندؒ سے بیعت وخلافت کو یکسر نظر انداز کر دیا۔

یہ سہو مولانا سید محمد میاں صاحب سے (علمائے حق میں) اور پروفیسر انوار الحسن صاحب سے (تجلیاتِ عثمانی میں) بھی ہوا ہے، تحریر واظہارِ بیان کے اس تضاد کو کس نام سے تعبیر کیا جائے یہ تو اہل نظر ہی بتا سکتے ہیں۔

عمری (مراد آباد) میں

۱۳۲۹ھ میں آپ کو مؤتمر الانصار (منعقدہ مراد آباد) کی ایک تجویز کے مطابق قصبہ عمری ضلع مراد آباد تدریس کیلئے بھیج دیا گیا۔ (۱) تقریبًا دو سال تک آپ نے وہاں تدریسی خدمات انجام دیں اسکے بعد دار العلوم دیوبند میں بغرضِ تدریس طلب کر لیا گیا۔

---

(۱) جمعیۃ الانصار کا قیام اگرچہ ۱۲۹۷ھ میں حضرت شیخ الہندؒ کے ہاتھوں (ثمرۃ التربیت کے نام سے) ہو چکا تھا مگر اس کی نشأۃ ثانیہ مولانا عبید اللہ سندھی اور دیگر جدید فارغ التحصیل حضرات کے اصرار ودرخواست پر ۲۷؍رمضان ۱۳۲۷ھ کو ہوئی۔ اس تنظیم کا ملکی معاملات سے (بظاہر) کوئی تعلق نہ تھا۔ اس کے پانچ شعبے تھے آخری شعبہ کا نام مؤتمر الانصار (جلسۂ علیہ) تھا۔ جس کا مقصد اصلاحِ عقاید اور اخلاق واعمال کے متعلق مضامین کا بیان، قرآن وحدیث کے اسرار ومطالب کی تشریح نیز مسلمانوں کے مذہبی علوم کی حفاظت واشاعت کے وسائل کا عموماً اور مدارس کی اصلاح وتعمیر کا خصوصاً بحث ومشورہ تھا۔ اس تنظیم کا پہلا اجلاس عام ۱۵؍۱۶؍۱۷؍اپریل ۱۹۱۱ء (مطابق ۱۳۲۸ھ) کو منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں جن مشاہیر علماء نے حصہ لیا ان میں مولانا احمد حسن امروہی (تلمیذ خاص حضرت نانوتویؒ) مولانا جمیل الدین صاحب، مولانا اشرف علی تھانوی، مفتی کفایت اللہ صاحب، علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مدنی، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی، مولانا سراج احمد صاحب، مولانا محمد ابراہیم صاحب واعظ دہلوی، مولانا شائق احمد عثمانی، مولانا عبد الرحمٰن سیوہاری، مولانا ہادی حسن صاحب، حکیم اظہر الدین صاحب، قاری عبد الوحید خاں صاحب اور مولانا عبد السمیع صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ قابل ذکر ہیں۔ اس تنظیم کا مقصد مذہبی تعلیم کے احیاء واجراء کے لئے متعدد مقامات پر لائق معلموں کا تقرر اور خصوصاً عصری تعلیم یافتہ حضرات کو مذہبی تعلیم سے روشناس کرانا بھی تھا، غالبًا اسی تحریک کے پیش نظر علامہ بلیاوی کو عمری روانہ کیا گیا۔ (ملخصًا از ماہنامہ القاسم ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ)

دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس

یکم محرم الحرام ۱۳۳۱ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس تشریف لائے اور اس سال آپ کو سلم العلوم، ملا حسن، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال اور حمد اللہ کتابیں سپرد ہوئیں۔(۱)

آپ ''اپنے آغازِ تدریس ہی سے اساطین درس کی فہرست میں شمار ہوتے تھے، چنانچہ انہیں (علامہ کو) ابتدا ہی سے ہر فن کی اونچی کتابیں سپرد ہوتی رہیں، جنہیں انہوں (آپ) نے آغازِ کار ہی سے اعلیٰ سطح پر پڑھایا۔''(۲)

ابتدائی تدریسی دور ہی میں جبکہ دارالعلوم کے قافلۂ علم میں حضرت شیخ الہندؒ، علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہم جیسے علم وکمال کے سمندر و پہاڑ اور یگانۂ روزگار شخصیات شامل تھیں، ایک انتیس سالہ جواں سال مدرس کی علمی استعداد اور فضل وکمال کا اعتراف ''رودادِ دارالعلوم'' کے اندر ان الفاظ میں موجود ہے۔

''مولوی محمد ابراہیم صاحب تمام علوم میں کامل الاستعداد ہیں۔ معقول وفلسفہ کی تمام کتابیں نہایت خوبی سے پڑھاتے ہیں، فلسفہ ومنطق اور علم کلام کے انتہائی اسباق، صدرا، شمس بازغہ، قاضی مبارک، حمد اللہ، امورِ عامہ کے علاوہ شرح مطالع، شرح اشارات وغیرہ پڑھاتے ہیں۔ طلباء کا بہت زیادہ میلان ان کی طرف رہتا ہے۔ نہایت خوش تقریر ہیں، غرض یہ ایک نہایت قابل قدر اور شہرت ووقعت حاصل کرنے والے مدرس ہیں۔(۳)

(۱) رجسٹر مدرسین (از ریکارڈ دفتر تعلیمات دارالعلوم دیوبند)

(۲) از قاری محمد طیب صاحبؒ ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء

(۳) رودادِ سالانہ ۱۳۳۳ھ ص ۲۱.................. بعد میں علامہ کے فضل وکمال، مرجعیت اور شخصیت کی بے مثال آفاقی شہرت کو دیکھئے تو لگتا ہے گویا اکابر دارالعلوم کی ان توقعات نے واقعات کی شکل اختیار کر لی۔ برسوں بر صغیر میں آپ کے علم وکمال کا طوطی بولتا رہا اور ذہانت وفطانت کی مثال دی جاتی رہی (اور آج بھی دی جاتی ہے) حلقۂ دیوبند میں آپ ایک خاص شان اور انفرادی عظمت کے مالک تھے...... (باقی حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تحریک استخلاص وطن اور اسارتِ شیخ الہندؒ

۱۳۳۳ھ (۱۹۱۵ء) میں تحریک استخلاص وطن زوروں پر تھی حضرت شیخ الہندؒ نہ صرف اس میں شامل بلکہ ایک اہم قائد کی حیثیت رکھتے تھے، مضمون کی طوالت کے خوف اور صفحات کی قلت کے سبب زیادہ لکھنے سے قاصر ہوں، تاریخ کا دامن تفصیلات سے بھرا پڑا ہے، مغز وخلاصہ کے طور پر اتنا عرض ہے کہ آپ (شیخ الہندؒ) اور ہمارے دیگر اکابر رحمہم اللہ (جو اس تحریک میں نہایت جانفشانی سے شریک رہے) نے تحریک آزادی کا جو منصوبہ مرتب کیا اور خواب دیکھا تھا وہ یقیناً اس آزادی سے مختلف تھا جو حاصل ہوئی۔ بہر حال حضرت شیخ الہندؒ ۲۹ / شوال ۱۳۳۳ھ کو دیوبند سے بغرضِ زیارتِ حرمین شریفین (بعض اقوال کے مطابق بغرضِ ہجرت اور بقول بعضے ترکی حکومت کی امداد کے لئے) روانہ ہوئے، ۱۳۳۴ھ آپ نے حجاز میں گذارا اور بالآخر ۲۲ / صفر ۱۳۳۵ھ کو آپ حجاز ہی میں قید کر لئے گئے اور تقریباً ساڑھے تین سال کی اسارت ومشقت کے بعد ۲۰ / رمضان ۱۳۳۸ھ کو آپ رہا ہوئے، اس پیرانہ سالی میں شیخ الہندؒ پر یہ مصیبت! آپ کے خدام (جن میں علامہ بھی شامل تھے) خون کے آنسو روتے اور جگر کا لہو پیتے ہوں گے، ان کے جذبات کیا تھے ان کا مشن کیا تھا، یہ ہندوستان کی اسلامی تاریخ کا ایک اہم باب ہے اور محض تحریری وتقریری جہاد اور بیان بازی کرنے والوں کے لئے عملی جہاد کی ایک روشن مثال۔ (۱)

(گذشتہ صفحہ کا باقی حاشیہ)......جس کی کچھ جھلکیاں ہم آئندہ پیش کریں گے (انشاء اللہ) فی الحال مولانا سعید احمد اکبرآبادی کی اس روایت پر اکتفا کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''دیوبند کے حلقہ میں ہمیں نہیں معلوم کہ ان (حضرت) کے سوا کسی اور کو بھی ''علامہ'' کے لقب سے عام طور پر پکارا یا یاد کیا گیا ہو۔'' (ماہنامہ برہان دہلی جنوری ۱۹۶۸ء ص ۳)

(۱) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو ''تحریک شیخ الہند، اسیرانِ مالٹا، نقش حیات اور علمائے حق'' وغیرہ کتب۔

قاری محمد نعمان صاحب کی پیدائش اور حضرت شیخ الہندؒ کی رہائی ووفات

۲۰/رمضان ۱۳۳۸ھ کو حضرت شیخ الہندؒ کو اسارتِ فرنگی سے رہائی ملی اور آپ بمبئی و دہلی قیام فرماتے ہوئے ۲۶/رمضان ۱۳۳۸ھ کو دیوبند تشریف لائے۔ اسی عرصہ میں قاری محمد نعمان صاحب (صاحبزادہ علامہ بلیاوی) کی پیدائش ہوئی، خوش نصیبی یہ کہ قاری صاحب کو جو سب سے پہلا کپڑا پہنایا گیا وہ حضرت شیخ الہندؒ کے جسم مبارک سے شرفِ لمس رکھتا تھا، مزید برآں یہ کہ حضرت شیخ الہندؒ نے اپنی گود بابرکت میں لے کر شہد چٹایا (اس واقعہ سے بھی علامہ کے ساتھ حضرت شیخ الہندؒ کا جو تعلق خاص ظاہر ہوتا ہے وہ عیاں ہے) اور پھر علم وعمل کا یہ سمندر، فکر قاسمی کا امین اور ہندوستان میں اسلامی عظمت رفتہ کا خواہشمند اور اس دور کا مجاہد جلیل ۱۸/ربیع الاول ۱۳۳۹ھ (مطابق ۳۰/نومبر ۱۹۲۰ء) کو اس جہانِ فانی سے رخصت ہوگیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئو میں صدارتِ تدریس

غالباً ۱۳۴۰ھ میں مولانا عبدالوہاب صاحب صدر مدرس مدرسہ امدادیہ دربھنگہ کی بسلسلۂ تحریک خلافت گرفتاری عمل میں آئی، ادھر علامہ بلیاوی بھی بعض وجوہ کی بنا پر سخت مالی مشکلات کا شکار تھے (جیسا کہ رودادِ دارالعلوم ۱۳۴۰ھ میں درج ہے) آپ نے دارالعلوم سے ایک سال کی رخصت لی اور مدرسہ امدادیہ دربھنگہ تشریف لے گئے اور وہاں کی صدارتِ تدریس کو رونق بخشی۔ روداد میں اس واقعہ کا ذکر اس طرح ہے۔

> ''مولوی محمد ابراہیم صاحب بلیاوی دارالعلوم کے قدیم اور لائق مدرس ہیں، معقول وفلسفہ وغیرہ فنون کے انتہائی اسباق آپ کے متعلق رہتے تھے۔ مولوی صاحب موصوف اپنی خاص ضرورتوں کی بنا پر ایک سال کی رخصت

حاصل کر کے شوال ۱۳۴۰ھ سے مدرسہ امدادیہ دربھنگہ میں مدرس اول ہو کر تشریف لے گئے۔'' (روداد سالانہ ۱۳۴۰ھ ص ۱۲)

رمضان ۱۳۴۱ھ کی تعطیل میں آپ اپنے وطن (بلیا) تشریف لے گئے تو مولوی عبدالمجید صاحب لکھنوی کی تحریک وکوشش سے مدرسہ دارالعلوم مئو ضلع اعظم گڑھ کی صدارتِ تدریس کے لئے باصرار روک لیا گیا، اس طرح تقریباً ایک سال آپ وہاں صدر مدرسی کے فرائض انجام دیتے رہے۔(۱)

دوسری مرتبہ دارالعلوم دیوبند میں

غالبًا یکم صفر ۱۳۴۳ھ سے آپ دوبارہ دارالعلوم میں بسلسلۂ تدریس بلائے گئے۔ چونکہ دارالعلوم کا مالی سال محرم تا ذی الحجہ ہوتا تھا اسی لحاظ سے رودادوں کی اشاعت ہوتی تھی، اور ۱۳۴۳ھ کی روداد میں درج ہے کہ علامہ بلیاوی کو ۱۳۴۳ھ میں ۱۱ رماہ کی تنخواہ دی گئی۔ (ملخصاً از روداد سالانہ ۱۳۴۳ء ص ۳۱)

تحریک پاکستان، دارالعلوم سے علیحدگی اور جامعہ ڈابھیل کی مدرسی

۱۳۶۲ھ میں ''اصلاحی تحریک'' کے نام سے دارالعلوم دیوبند میں ایک انقلاب آیا۔ اس کی حقیقت جاننے کے لئے آیئے محمد اکبر شاہ بخاری (ناظم جامعہ عثمانیہ جامپور، پاکستان) کے رقم فرمودہ مضمون کے اقتباس پر نظر ڈالتے چلیں جس سے ایک گونہ اس تحریک اور علامہ وغیرہ حضرات کے دارالعلوم سے علیحدہ ہونے پر روشنی پڑتی ہے، رقم طراز ہیں:

(۱) مولانا محمد نعیم صاحب کے مضمون (مشتمل بر حالاتِ علامہ، مطبوعہ ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۲ء ومارچ ۱۹۶۸ء) سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ علامہ نے ۱۳۳۸ھ سے قبل (اسارتِ شیخ الہندؒ کے دور میں) دارالعلوم مئو میں قیام فرمایا جبکہ یہ درست نہیں۔ دارالعلوم کی روداد اور تعلیمات کے ریکارڈ کے مطابق ۱۳۳۱ھ سے لے کر شعبان ۱۳۴۰ھ تک مسلسل دارالعلوم میں مدرس رہے، مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے دارالعلوم میں آپ کا تقرر ۱۳۲۹ھ میں لکھا ہے جو درست نہیں ہے۔

''تحریک پاکستان کے زمانے میں دارالعلوم دیوبند دو حصوں میں تقسیم ہو چکا تھا، دارالعلوم کا ایک حصہ کانگریس کے ساتھ شریک عمل تھا اور دوسرا گروپ جو دارالعلوم کے بڑے بڑے عہدیداروں یعنی سرپرست حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، صدر مہتمم علامہ شبیر احمد عثمانی، مہتمم مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور صدر مفتی مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے حامیوں پر مشتمل تھا، کانگریس کا سخت مخالف تھا۔ حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ نے جب یہ محسوس کیا کہ دارالعلوم دیوبند میں رہ کر اگر اختلافات بڑھ گئے تو یہ دارالعلوم کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔ چنانچہ حضرت تھانوی کے مشورہ سے ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی، مولانا ظہور احمد دیوبندی اور مفتیٔ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ اور دیگر علماء دارالعلوم دیوبند سے مستعفی ہو کر الگ ہو گئے اور ان سب علماء نے خود کو تحریک پاکستان کے لئے وقف کر دیا۔'' (۱)

بہر حال علامہ ۱۳۶۲ء میں دارالعلوم سے علیحدہ ہو کر علامہ عثمانی کیساتھ ڈابھیل تشریف لے گئے۔ (۲) جہاں آپ نے تقریباً آٹھ ماہ درسِ حدیث دیا۔ (۳)

مدرسہ عالیہ فتح پوری اور ہاٹ ہزاری میں صدارت

بعد ازاں آپ نے مدرسہ عالیہ فتح پوری کی مسند صدارت کو رونق بخشی، کچھ

(۱) ماہنامہ البلاغ کراچی شعبان ۱۳۹۹ھ ص ۸۲۰ (مفتی محمد شفیع نمبر)

(۲) رجسٹر مدرسین تعلیمات دارالعلوم دیوبند میں درج ہے کہ علامہؒ ۱۳۶۱ھ میں دارالعلوم سے چلے گئے جو مبنی بر سہو ہے۔

(۳) تاریخ دارالعلوم میں ہے کہ ''۱۳۶۲ھ میں پھر دارالعلوم سے علیحدگی اختیار کی، اولاً جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں مسند صدارت کو رونق بخشی۔ ج ۲ ص ۱۰۴۔ اور مولانا محمد نعیم صاحب کے مضمون میں علامہ عثمانی کے بعد وہاں کا صدر بتایا گیا ہے، جبکہ علامہ دوبارہ ڈابھیل نہیں گئے، علامہ وہاں مدرسِ حدیث کی حیثیت سے رہے۔ تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو تاریخ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل ص ۱۱۰۔

عرصہ کے بعد ہاٹ ہزاری (چاٹ گام) تشریف لے گئے اور وہاں صدارتِ تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ یہاں آپ نے صحاحِ ستہ کی اہم کتابوں کا درس دیا۔

آسام سے صدارت کی پیش کش

چاٹ گام میں قیام کے دوران شیلانگ (آسام) سے چھ سو روپئے ماہانہ مشاہرہ پر صدارت کی پیش کش ہوئی (یہ غالباً کسی عصری علوم کی درسگاہ کی جانب سے ہوئی تھی) جو پائے استغناء سے ٹھکرادی گئی۔ خیال رہے کہ آج سے قریب پچاس سال پہلے یہ رقم کافی پر کشش حیثیت رکھتی تھی، اس کے اگلے سال (۱۳۶۶ھ میں) آپ نے اس کے مقابلے میں کہیں کم مشاہرہ پر دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دینا منظور فرمایا۔

اورینٹل کالج لاہور اور مدرسہ عالیہ کلکتہ کی طرف سے پیش کش

آسام ہی کی طرح لاہور اور کلکتہ کی عصری تعلیم گاہوں سے ایک معقول مشاہرہ پر علامہ کی خدمات طلب کی گئیں مگر آپ نے بجائے منظوری کے نظر التفات بھی اُدھر نہ فرمائی اور دارالعلوم دیوبند کے قیام کو سعادت واعزاز سمجھا۔

حقیقت یہ ہے کہ علامہ کی شخصیت خالصۃً علمی شخصیت تھی، ان کا علم ومطالعہ اور اندازِ تحقیق وطرزِ تدریس قرونِ اولیٰ کے اصحابِ علم وفن کی یاد تازہ کرتا تھا، وہ عصری تعلیم گاہوں کے مزاج وماحول میں کسی طرح بھی فٹ نہیں ہو سکتے تھے۔

بابِ سوم

مسئلۂ صدارت اور حکیم الاسلام کا رہنما خواب

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے وصال کے بعد دارالعلوم کی صدارتِ تدریس کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہوگیا جس کو مولانا محمد نعیم صاحب نے اس طرح بیان کیا ہے:

"کیونکہ بزمِ محمودی کے دو پروانے اور بادہ خوار باقی تھے، علامہ بلیاوی اور حضرت الاستاذ مولانا سید فخرالدین احمد صاحب (۱) دونوں کا استحقاق اور صلاحیت اپنی جگہ مسلم تھی۔ بالآخر حضرت مہتمم (مولانا قاری محمد طیب) صاحب کی لطافت طبع نے ایک لطیفۂ منامی کی روشنی میں رہنمائی فرمائی۔ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے انعقاد سے پہلے اثنائے سفر بہار میں انہوں نے خواب میں دیکھا کہ دارالعلوم کی بابرکت عمارتِ نودرہ (جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب میں ارشادفرمودہ اور کشیدہ خطوط پر بنائی گئی ہے) کی شمالی درسگاہ میں حضرت شیخ الاسلام (مولانا سید حسین احمد مدنی) جلوہ افروز ہیں، اساتذہ اور مدرسین کا مجمع سامنے ہے اور حضرت ہر ایک کو علیحدہ پاس بلاکر کچھ مشورہ فرمارہے ہیں، جس کی آواز تو نہیں آتی البتہ اندازے سے معلوم ہوتا ہے کہ دارالعلوم کی صدارت کے متعلق مشورہ ہے۔ جب سب کے مشورے سے فارغ ہوئے تو میں (حضرت مہتمم صاحبؒ) تنہا ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا، بجائے اس کے کہ مجھے طلب فرماتے خود اٹھ کر میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ اس بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ "شیخ الحدیث مولانا

(۱) حسن اتفاق کہ یہ دونوں حضرات ہم درس بھی تھے، دونوں کی فراغت ۱۳۲۷ھ میں ہوئی، بعدہٗ علامہ بلیاوی مدرسہ عالیہ فتح پوری میں علامہ شبیر احمد عثانی کے ساتھ مشغول تدریس ہوگئے اور مولانا سید فخرالدین احمد صاحب نے دوبارہ دارالعلوم میں داخلہ لے لیا۔

فخر الدین احمد صاحب کو اور صدر المدرسین مولانا محمد ابراہیم صاحب کو بنا دیا جائے۔" یہ سن کر کھل گئے اور بشاشت و مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا کہ بالکل ٹھیک ہے میرے دل کی بات کہدی ...... دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کا فیصلہ دراصل اس خواب کی سچی تعبیر ہے۔" (۱) اور اس طرح گویا حضرت مہتمم صاحب کا خواب اصدق الرؤیا اور مبشرات میں سے ثابت ہوا اور علامہ کے استحقاقِ صدر نشینی کی ایک تائید غیبی۔

دار العلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس

بالآخر مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۶؍رجب ۱۳۷۷ھ نے حسب ذیل عبارت پر مشتمل تجویز کی منظوری کے ذریعے آپ کو منصبِ صدارتِ تدریس پر فائز کیا۔

"مجلس شوریٰ اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کے بعد دار العلوم کے لئے ایسی کامل و عظیم شخصیت کا مثل نظر نہیں آتا، اس لئے مجلس شوریٰ دار العلوم کے تعلیمی نظام کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے باتفاق رائے یہ طے کرتی ہے کہ دار العلوم کے صدر المدرسین اور ناظم تعلیمات کے منصب پر حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کو فائز کیا جائے اور علمِ حدیث کی عظمت وجلالت کی امتیازی شان کے پیش نظر حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب کو شیخ الحدیث کے منصب پر فائز کیا جائے۔" (۲)

شاہ عبد القادر رائے پوریؒ سے بیعت واجازت

آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ حضرت شیخ الہندؒ کے مجاز تھے اور کسی درجہ میں اس سلسلہ کو جاری بھی رکھتے تھے تاہم ان کے تعلیمی اور تدریسی رنگ میں تصوف کی یہ جہت ہمیشہ مستور ومخفی رہی، عمر کے آخری دور میں آپ نے حضرت رائے پوری سے

---

(۱) ماہنامہ دار العلوم فروری ۱۹۶۲ء ص ۱۴، ۱۵

(۲) تاریخ دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۱۲ بحوالہ تجویز ۳ مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۶؍رجب ۱۳۷۷ھ

اصلاحی تعلق قائم فرمایا، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا بیان ہے:

''آخر عمر میں حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحبؒ کی طرف رجوع فرمایا، خود میرے ساتھ کئی بار رائے پور کا سفر کیا، حضرتِ اقدس بھی حضرت علامہ کی طرف غیر معمولی توجہ فرماتے تھے، بالآخر حضرت رائے پوریؒ نے اجازت مرحمت فرمائی، لیکن علامہ نے اس سلسلہ کو کبھی نمایاں نہیں ہونے دیا۔'' (ماہنامہ دار العلوم فروری ۱۹۶۸ء ص۴)

زیارتِ حرمین شریفین

۱۹۶۰ء مطابق ۱۳۷۹ھ میں حج بیت اللہ اور زیارتِ روضۂ اطہر کا شرف حاصل ہوا۔ اس باسعادت عمل اور مبارک سفر میں آپ کے دیگر رفقاء میں مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند، مولانا عبد الاحد صاحب، مولانا معراج الحق صاحب، مولانا احمد رضا صاحب بجنوری، مولوی زاہد حسین صاحب اور مولوی محمد احمد گل صاحب وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس موقع پر بھی علامہ کی سادگی، قناعت، دنیا بیزاری اور اسلاف کی حقیقی جانشینی کی انفرادی شان نمایاں رہی، پانی اور کھجوروں کے علاوہ صرف چند یادگاری چیزیں ہی واپسی پر آپ کا اثاثۂ سفر تھیں جن میں مصلیٰ، تسبیح وغیرہ شامل تھیں۔

حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ سے تعلق واجازتِ بیعت وارشاد

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ کا حضرت شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادیؒ سے ارتباط وتعلق نیز علمی وعملی مقتدائیت وعروج، قابل رشک شہرت ومقبولیت کے مالک، مرجع العلماء، کثیر المصروفیات اور کبیر السن ہونے کے باوجود الہ آباد کا سفر کرنا بجائے خود ایک حیرت انگیز اور مثالی قدم ہے، میرے نزدیک یہ علامہ کی زندگی کا سب سے اہم باب ہے۔

جو لوگ علامہ کے اس قدم کو محض پیری مریدی کے تعلق سے دیکھ کر ہی ان ھذا

من اعاجیب الزمن پکار اٹھتے ہیں کہ ایک استاذ اور استاذ بھی کوئی معمولی نہیں استاذ الاساتذہ اور یگانۂ روزگار شخصیت کا اور وہ بھی اپنی عام مقتدائیت کے دور میں اپنے ایک شاگرد سے استرشاد اور مریدی کا تعلق پیدا کرنا یہ واقعی عجائباتِ زمانہ سے ہے۔ میں ان سے بصد احترام درخواست کروں گا کہ اگر وہ اس تعلق کی اصل غایت اور بنیادی وجہ پر غور فرمائیں تو شاید بحر حیرت میں غرق ہی ہو جائیں گے۔

جہاں تک بیعت و تلقین کے تعلق اور روحانی کسب فیض کی بات ہے تو حضرت علامہ روحانی شخصیات سے ہمیشہ وابستہ رہے، یہ اور بات ہے کہ بعض وجوہات کے سبب انہوں نے اس سلسلہ کو شہرتِ عام نہیں دی۔ حضرت شیخ الہندؒ کے دامن فیض سے مستفید ہونے کا ذکر تو متعدد مضامین میں ہے، ان کے بعد آپ حضرت مولانا تھانویؒ اور حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ سے روحانی فیض حاصل فرماتے رہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے متعلق بھی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی روایت گذشتہ صفحات میں گذر چکی، جہاں تک حضرت تھانویؒ سے اخذ فیض کا معاملہ ہے سو اس کے دو قرائن ہیں۔

نمبر ایک: حضرت شاہ وصی اللہ الہ آبادی کا اجازت کو حضرت تھانوی کی طرف منسوب کرنا۔

نمبر دو: حضرت علامہ کا وہ خط جو غالباً سب سے پہلے انہوں نے حضرت شاہ صاحب کو تحریر فرمایا۔ لکھتے ہیں:

> ....مخدوما! خانقاہِ تھانہ بھون، رائے پور اور گنگوہ کی ویرانی کے بعد طبیعت بہت افسردہ رہتی تھی البتہ آپ کے احوال وکوائف سن کر مایوسی مبدل بہ توقعات ومسرت ہو جاتی تھی اور سمجھ میں آتا تھا کہ وقت کی عام مایوسیاں مستثنیات سے خالی نہیں ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس نے آپ سے ملاقات کے وسائل بہم پہنچائے اور میری دیرینہ آرزو پوری ہوئی۔

آپ سے ملاقات کے بعد مسرت کی بے پایانی میں برابر اضافہ ہوتا گیا، ملاقات کی مدت اگرچہ بہت مختصر تھی مگر اس ملاقات سے جو تاثرات مرتب ہوئے وہ نہایت دیرپا اور بے پایاں ثابت ہوئے، اب بھی اس ملاقات کی مسرتیں اور سرشاریاں میرے دل میں بحالہ باقی ہیں۔

آں محترم کو میں نے کمالِ صلاح و اصلاح سے متصف پایا اور آپ کے طریق اصلاح کو اس آیت کا پورا نمونہ پایا: وَلَا تَسُبُّو الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّو اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْم (یعنی تم انکے معبودوں کو برا مت کہو مبادا وہ جہالت کی وجہ سے خدا کو برا کہنے لگیں) اس نفاق اور سلب کمال کے زمانے میں غیروں کو اپنانا اور اپنوں کو گلے لگانا وہ جنس گرانمایہ ہے جس کا کم از کم اس زمانہ میں ملنا دشوار ہے۔ آپ کا اندازِ اصلاح مدعیانِ تصوف کو بلا کسی جنگ وجدل اور حیلہ وتدبیر کے شکست فاش دے چکا ہے اور یہ شعر آپ کی اصلاحی مساعی پر پوری طرح صادق آتا ہے۔

گر ایں مدعی دوست بشنا ختے　　به پیکار دشمن نه پرداختے

(اگر یہ مدعی محبت خدا کا عارف ہوتا تو اپنے دشمن سے لڑنے میں مصروف نہ ہوتا) کیوں نہ ہو، آپ نسبت محمدی (علی صاحبہا الف الف تحیۃ) کے مظہر کامل ہیں، اس نسبت کے حاملین کی جو خصوصیات ہوتی ہیں وہ آپ میں بدرجۂ اتم موجود ہیں۔''(۱)

اس مکتوب سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت علامہ خانقاہ تھانہ بھون سے ربط و استفادہ رکھتے تھے۔ آگے چل کر ایک اقتباس آپ کی نظر سے گذرے گا جس سے معلوم ہوگا کہ حضرت تھانوی آپ سے خصوصی تعلق کے سبب آپ کو ''محمد ابراہیم'' کے بجائے ''خلیل اللہ'' سے مخاطب فرمایا کرتے تھے۔

(۱) ماہنامہ وصیۃ العرفان جنوری ۱۹۸۴ء ص ۱۹، ۲۰

احقر نے علامہ بلیاوی اور شاہ وصی اللہ صاحب کے درمیان طویل مراسلت (جو سو صفحات سے زائد پر مشتمل ہے) کا جو مطالعہ کیا ہے تو اپنے محدود علم اور ناقص فہم سے اس نتیجہ پر پہنچا ہے کہ یہ صرف پیری مریدی کا تعلق نہ تھا بلکہ اس کے پس منظر میں اتنی طویل داستان، محرکات، اسباب وعوامل اور سوز وتڑپ نظر آتی ہے جس کیلئے ایک مستقل رسالے کی ضرورت ہے۔

قارئین شاید آپ میرے اس دعوے کو صرف پہیلیاں بجھانا سمجھ کر اوب رہے ہوں انسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طویل مراسلت ومکاتبت کے بعض شہ پارے ہدیۂ ناظرین کر دیئے جائیں، اس کے بعد غالبًا ان گوشوں کی طرف اشارہ کرنا زیادہ آسان اور قریب الفہم ہو جو یہ ناچیز اس سلسلے میں سمجھا ہے، اور شاید آپ بھی زیادہ بہتر طریقہ پر محظوظ ومستفید ہو سکیں۔ بطور نمونہ چند اقتباسات پیش ہیں۔ علامہ کی الٰہ آباد سے واپسی پر شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا:

"آپ کی تشریف آوری میرے لئے باعث کمال وفخر بنی نیز اس سے بہت بہت خیرات وبرکات کا ورود ونزول ہوا، من جملہ ان کے ایک بہت بڑا نفع مجھے یہ ہوا کہ میرے قلب کو بہت ہی تقویت پہنچی ورنہ تو ان دنوں خود کو بہت ہی زیادہ ضعیف اور کمزور پاتا تھا۔" (۱)

آگے تحریر فرماتے ہیں:

"بڑی خوشی اس امر کی ہوئی کہ آنجناب (علامہ صاحب) نے اصل کام کی طرف توجہ کرنے کو فرمایا ہے اور اس میں شک نہیں کہ بزرگوں کا یہی کام تھا جس کی جانب جناب نے توجہ فرمائی ہے۔ یوں بعض دوسرے حضرات نے بھی مجھ سے وہاں (دیوبند) کی اصلاح کے متعلق کچھ فرمایا تھا اور اس کا بندہ پر اثر بھی ہوا مگر جس انداز سے آپ نے فرمایا اس طرح کسی نے نہیں کہا اس لئے آپ کے فرمانے سے میں بہت متاثر ہوا۔ بہر حال آپ کے

(۱) ماہنامہ معرفت حق دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۲۶

پیش نظر اس وقت چونکہ محض دین اور بزرگوں کا طریق ہے، چنانچہ اسی لئے آپ نے یہ تکلیف اٹھائی، تو آپ نے تو اخلاص پر قدم رکھ ہی دیا۔''(۱)

حضرت شاہ صاحب نے ضرورتِ اصلاح کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے:

''مسلمانوں کا کوئی بڑا ادارہ جو مسلمانوں کی خدمت دینیہ کے لئے موضوع ہوا ہو اس میں ایسے صلحاء یا صالح کا ہونا ضروری ہے جو لوگوں کو حقیقی اصلاح اور حقیقی دین کی طرف متوجہ کرتا رہے تاکہ کسی دور میں وہاں خلاء نہ ہو۔ ظاہری خدمت کی طرح یہ بھی ضروری ہے۔''(۲)

علامہ صاحب نے شاہ صاحب سے یہ درخواست کی کہ آپ سال میں چند بار دیوبند مواعظ فرمایا کریں تو امید ہے کہ طلباء و مدرسین نہ صرف استفادہ کرسکیں گے بلکہ اس طرح ان کی اصلاح کا عمل بھی کسی درجہ میں شروع ہو سکے گا۔ مگر شاہ صاحب نے اس طریقہ کو اس درجہ میں مفید نہیں سمجھا جس کی بقول ان کے دیوبند میں ضرورت تھی، ان کا خیال تھا کہ مقامی اور داخلی طور پر شدید محنت کی ضرورت ہے اور وہ اس وقت تک نہیں ہوسکتی جب تک وہیں مقیم کوئی شخص اس ذمہ داری کو اپنے سر نہ لے لے۔

شاہ صاحب نے تحریر فرمایا:

''میں نے گذشتہ عریضہ میں ذکر کیا تھا کہ جنابِ والا اندر سے کام شروع کریں اور میں باہر سے، انشاء اللہ تعالیٰ اس سے بہت کام ہونے کی توقع ہے۔ الحمدللہ آپ نے کام شروع فرمادیا۔''(۳)

علامہ صاحب نے مدرسہ میں اسی عام بگاڑ وفساد کی طرف اشارہ کرنے کے بعد ایک خط میں تحریر فرمایا:

''ان حالات میں ہمیں کام کرنا ہے، ہاں طلباء میں بعض ایسے افراد ابھی موجود ہیں جن میں اسلامی قدروں کی حفاظت کی تڑپ موجود ہے، اگر

(۱) ماہنامہ معرفت حق دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۲۸ (۲) ماہنامہ معرفت حق دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۲۹

(۳) ماہنامہ معرفت حق دسمبر ۱۹۷۲ء ص ۲۹

صرف انہیں ہی راہ پر لگا دیا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ ایک وقت آ جائے گا جبکہ اساتذہ وارا کین بھی اپنے حالات بدلنے پر مجبور ہوں گے۔''(۱)

اسی درد وتڑپ کا اظہار علامہ نے اس طرح بھی فرمایا:

''چونکہ ہماری جماعت کے شیوخ میں سے اکثر نے وہ راہ اختیار کر لی ہے جس کے خلافِ سنت وطریقت ہونے میں ذرا بھی تامل نہیں اور عوام کا مزاج خرافاتی باتوں اور پیروں میں اعتقاد رکھتا ہے اس لئے مسلک دیوبند جسے اکابر نے سنت وطریقت کو اجاگر کرنے کے لئے اختیار کیا تھا، خود نام نہاد اختلاف کے ہاتھوں تباہ ہو رہا ہے۔''(۲)

علامہ اس ماحول اور فساد وبگاڑ سے پریشان ضرور تھے مگر اس کے مبدل بہ اصلاح ہو جانے سے مایوس قطعًا نہ تھے۔ اس لئے ایک خط میں شاہ صاحب کو یہ جملے بھی لکھ دیئے ہیں:

''جنابِ محترم کی توجہ سے اس ادارہ میں خاطر خواہ اصلاح وتبدیلی ظہور پذیر ہوگی۔''

حالات کی خرابی کا اظہار ایک جگہ اس طرح فرماتے ہیں:

''حالات بہت بگڑ چکے ہیں اس لئے اس میں تدریجی اصلاح ہی سے کام چلے گا۔''(۳)

ایک خط میں یہ بھی لکھ دیا ہے:

''اس میں شبہ نہیں کہ غیر ملکی تمدن نے حریت ادیان کی وباء عام کر دی ہے اور دین سے واقف طبقہ بھی اس کی لپیٹ میں بری طرح آ گیا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔''(۴)

علامہ صاحب کا دیوبند اور وہاں کے طلباء ومدرسین کے حالات کے بارے میں

---

(۱) ماہنامہ معرفت حق جنوری ۱۹۷۳ء ص ۲۸ (۲) ماہنامہ معرفت حق جنوری ۱۹۷۳ء ص ۲۶

(۳) ماہنامہ معرفت حق جنوری ۱۹۷۳ء ص ۲۷ (۴) ماہنامہ معرفت حق مارچ ۱۹۷۳ء ص ۲۹

متفکر رہنا مفروضات و مزعومات پر مشتمل نہیں تھا، اس باب میں شاہ صاحب کا یہ ارشاد پڑھنے کے بعد صحیح صورتِ حال، علامہ بلیاوی کی روحانی نسبت اور مسلک دیو بند کی حفاظت کی تڑپ کا اندازہ لگائیے اور محسوس کیجئے کہ کونسا درد تھا جو علامہ کو مضطرب و بےچین کئے رہتا تھا۔ شاہ صاحب نے لکھا ہے:

''عرض یہ کرنا ہے کہ مدرسہ بیس پچیس برس سے بزرگوں کی توجہ سے خالی تھا اور گویا کہ ایک طرح بگڑ ہی چکا تھا، اگر آپ کی توجہ عالیہ سے سدھر سنور گیا اور اس کا بگاڑ مبدل بہ بناؤ ہو گیا تو اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ اور دیگر اکابر کی روح آپ سے خوش ہو ہی جائے گی۔'' (۱)

اسی طرح شاہ صاحب نے آپ کو چاروں سلسلوں میں اجازت دینے کے ساتھ ساتھ متعدد خطوط میں اس کا اصرار کیا کہ آپ بیعت وارشاد کے کام پر خصوصی توجہ فرمائیں اور اس اجازت کو بھی حضرت تھانویؒ کی جانب سے قرار دیا کہ گویا آپ حضرت تھانویؒ کے مجاز ہیں، چنانچہ ایک خط میں شاہ صاحبؒ نے تحریر فرمایا:

''دوسری گذارش یہ ہے کہ جنابِ والا نے حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی جانب سے بھی اجازت کا جو تذکرہ فرمایا تھا تو جی یہ چاہتا ہے کہ حضرت اس اجازت کو اب سب لوگوں پر ظاہر فرمادیں اور اس کے بعد یہ بھی فرمادیں کہ فلاں (شاہ وصی اللہ آبادیؒ) کے واسطے سے گویا حضرت تھانویؒ سے بھی اجازت ہوگئی ہے۔ مجھے تو امید قوی ہے کہ اس کا بین نفع علی روس الاشہاد ملاحظہ فرمائیں گے۔'' (۲)

بہتر ہے کہ یہاں وہ گرامی نامہ پورا نقل کردیا جائے جو حضرت شاہ صاحب نے پروانۂ اجازت کے طور پر حضرت علامہ کے نام ارسال فرمایا۔ یہ مکتوبِ عالی علاوہ اجازت نامے کے اور بھی بعض اہم امور کا مظہر ہے۔ لکھتے ہیں:

(۱) ماہنامہ معرفت حق مئی ۱۹۷۳ء ص ۲۵ (۲) ماہنامہ معرفت حق اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۳

اجازت نامہ

''ابھی میں نے اوپر ذکر کیا ہے کہ ضرورت ہے کہ وہاں کوئی مقامی شخص ظاہری و باطنی نگرانی رکھے، اس سے کام ہوسکتا ہے تو اس سلسلہ میں ابھی من جانب اللہ یہ بات قلب میں آئی کہ کیوں نہ آپ کے سپرد اس کام کو کردوں، اس لئے کہ کام جب بھی ہوا ہے کسی مخلص ہی سے ہوا ہے اور میں نے آپ کے اندر جس قدر اخلاص پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا بلکہ خود اپنے اندر بھی ویسا نہیں پایا۔

جو درد مدرسہ کا آپ کو ہے میں نے کسی دوسرے کے اندر ویسا نہیں دیکھا، نہ کسی مدرس میں اور نہ کسی میں، اس لئے وہاں کے کام کے لئے زیادہ اہل آپ ہیں۔ اب کام وجود میں آئے یا نہ آئے ہم اس کے مکلّف بھی نہیں، ہاں اس کے مکلّف ہیں کہ کوئی کام ہو اس کے اہل کے حوالے کیا جائے۔ اہلیت کی شرطِ اولین اخلاص ہے جو کہ آپ کے اندر بدرجۂ اتم موجود ہے۔

ہر کہ با خلاص قدم می زند عیسیٔ وقت است کہ دَم می زند

منجانب اللہ آپ کو توکلا علی اللہ بیعت وتلقین کی اجازت دیتا ہوں اور بصیرت سے کہہ رہا ہوں کہ آپ وہاں کام شروع کردیں، یعنی لوگوں کو بیعت کریں اور ان کو تعلیم وتلقین فرمائیں۔ اور حضرت (مولانا تھانویؒ) کی تصانیف ومواعظ وملفوظات طلبہ ومدرسین کو سنایا کریں۔ اور آپ کو اجازت گویا کہ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی جانب سے ہوگی۔

الحمد للہ کہ آپ میں علماً وعملاً ہر طرح سے صلاحیت واہلیت موجود ہے جو بنیادِ اجازت بنتی ہے۔ آپ میری اس تحریر کو طلبہ ومدرسین کو سنا دیں امید ہے کہ مدرسہ کی کایا پلٹ ہوجائے گی اور بزرگانِ دین کی ارواح خوش ہوں گی۔ اور اس بات سے چونکہ مجھے بہت مسرت ہوئی اس لئے آپ کی

مٹھائی کے لئے ایک حقیر سی رقم مرسل ہے۔ والسلام

خویدکم وصی اللہ عفی عنہ الہ آباد

۲۷/ذی الحجہ ۱۳۸۳ھ (۱)

اس مکتوبِ گرامی اور اس سرفرازئ اجازتِ بیعت کے جواب میں حضرت علامہ نے جو جواب حضرت شاہ صاحب کو ارسال فرمایا، چونکہ اس سے اس 'اصل کام' اور علامہ کی روحانی تڑپ کا اظہار ہوتا ہے جو دارالعلوم اور اس کے مدرسین وطلباء کی اصلاح نیز اس کے روحانی مقام کی بقاء وترقی کے متعلق تھی، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ اس مکتوبِ گرامی کو بھی بعینہٖ نقل کر دیا جائے۔ چونکہ یہ مراسلت کافی طویل ہے اس لئے مکمل کو نقل کر کے ہمیں صفحات کی تعداد بڑھانا منظور نہیں اس لئے زیادہ تر اس مراسلت کے بہت ہی اہم اجزاء کو نقل کیا گیا ہے۔ اصل یہ سمجھانا مقصود ہے کہ حضرت علامہ اس سے بڑے مضطرب و بے قرار تھے کہ ملت اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دل اور اس کا دینی محافظ دارالعلوم دیوبند صرف ایک تعلیم گاہ بنتا جا رہا ہے اور اس کی روحانیت وصفتِ احسان دن بدن انحطاط پذیر اور ذوقِ اکابر ومسلکی قوت رو بہ زوال ہے۔ اس نسبتِ روحانی اور روحِ باطنی کو کیسے باقی رکھا جائے، یہی فکر آپ کو لاحق تھی، یہ مراسلت جس کی شاہد ہے۔

حضرت علامہ بلیاویؒ جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

مخدومنا المحترم! دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج شریف

اعزاز نامہ نظر نواز ہوا، بلکہ دلنواز ہوا۔ محترما! میں نے آں محترم کے بارے میں جن جذبات وخیالات کا اظہار کیا ہے وہ کسی تصنع اور بناوٹ کی باتیں نہیں ہیں بلکہ وہ حقائق ہیں جنکا اعتراف کرنا میں اپنی بڑی سعادت سمجھتا ہوں، ان خیالات کا شاعری سے کوئی تعلق نہیں ہے بلکہ قلبی تاثرات ہیں۔

(۱) ماہنامہ معرفت حق فروری ۱۹۷۳ء ص ۳۰

میں نے اکابر کی پیروی کو ہمیشہ سے سرمایۂ کامرانیٔ دارین سمجھ رکھا ہے اور اس پر مشاہدات و تجربات بھی شہادت دے رہے ہیں کہ سعادتِ ازلی انہیں اکابر کی پیروی میں مضمر ہے، دعاء کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ استقامت عطاء فرمائیں۔

مکرما! مجھ جیسے نااہل اور بے مایہ کو آپ نے جس عزت سے نوازا ہے اس کے لئے میرے پاس زبان نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کرسکوں۔ ہاں اس سلسلہ میں اپنی چند کمزوریاں آں محترم کے سامنے رکھنا نہایت ضروری سمجھتا ہوں۔

پہلی چیز جو مجھے اس کام کے عموم سے روکتی ہے وہ تدریسی مشاغل ہیں۔ دوئمش میں خود کو صفتِ اصلاح سے متصف نہیں پاتا ہوں۔ تیسری بات طبعی وفطری ہے وہ یہ کہ ہجوم واجتماع سے بہت گھبراتا ہوں۔ ابتداء سے لے کر آج تک اس مزاج میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکی۔ خلافِ مزاج اجنبی لوگوں کی نشست و برخاست ایسی گراں گذرتی ہے کہ بارہا تجربہ میں آیا ہے کہ اگر اجنبی میرے پاس دیر تک بیٹھ جائے تو میری طبیعت مکدر ہوجاتی ہے اور مجھے بخار و دیگر جسمانی تکلیف شروع ہوجاتی ہے جس کیلئے مجھے ہفتوں تکلیف اٹھانی پڑتی ہے۔ اس کام (بیعت وارشاد) میں لوگوں کے ساتھ جن مراحل سے گذرنا ہوتا ہے وہ بھی حضرتِ والا سے مخفی نہیں، بڑی بڑی ناگواریاں انگیز کرنی ہوں گی، میں اس کیلئے بھی تیار ہوں مگر اس کبرسنی کے باعث اضمحلال قوت کے دور میں سمجھ میں نہیں آتا کہ اس سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکوں گا۔

ہاں چند ایسے لوگوں کو جو بڑے اخفاء سے کام لیتے ہیں تعلیم وتلقین کا سلسلہ حضرت شیخ الہندؒ کی اجازت سے جاری رکھتا ہوں، مگر عموم جو حضرت کی خواہش ہے اس کیلئے دعاء کی ضرورت ہے کہ طبیعت جو اجتماع سے متوحش

ہوتی ہے اس کی خوگر ہو جائے اور حکم فرمودہ پر عام طور سے کام کرنے لگوں، اوران تمام مشکلات کے باوجود میں خود کو کام کرنے پر آمادہ پاتا ہوں۔ یہ آمادگی آپکی توجہات اور دعاء کے سہارے ہی قائم رہ سکتی ہے۔

آں محترم کو یاد ہوگا کہ مولانا حبیب الرحمٰن اور حافظ احمد جیسے فاضلین و باہمت حضرات بھی حضرت شیخ الہندؒ کی رہنمائی کے محتاج تھے اور حضرتؒ کے وصال کے بعد حضرت تھانویؒ گاہے گاہے تشریف لاکر ان حضرات کی پشت پناہی کرتے تھے۔ جب ایسے گرامی حضرات بھی ان اکابر کی توجہ ودعاء اور تشریف آوری سے تازہ دم اور مضبوط ہو جاتے تھے تو میں اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود حضرتِ گرامی سے بالکل ایسی ہی توقعات کیوں نہ رکھوں۔

آخر میں ایک بات اور عرض کروں گا کہ میرا کسی سے مناقشہ نہیں ہے ہاں ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو................ پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور نکتہ چینی اور رخنہ اندازی ان کا شیوہ ہے، اس لئے جیسا کہ سابق میں کام کرنے والوں کو ان سے نپٹنا پڑا اسی طرح مجھے بھی اندیشہ ہے کہ کہیں ایسی باتیں جو غیر ارادی طور پر ان لوگوں کے خلاف پڑ جائیں، اس سے میرے کام میں رخنہ اندازی نہ ہو جائے، اس لئے آپ کی توجہات ودعاء کا محتاج ہوں۔

ان سطور میں اپنی کمزوریوں کو پیش خدمت رکھنے کا مقصد صرف آگاہی اور جناب کی بے پناہ بصیرت وحسن تدبیر سے فائدہ اٹھانا ہے، امید ہے کہ آپ کی توجہات سے پوری طرح نوازا جاؤنگا۔

جس حقیر ہدیہ کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ آپ کی حیثیت سے یقیناً حقیر ہوگا مگر میری نسبت سے وہ خطیر وفراواں ہے۔ والسلام

محمد ابراہیم بلیاوی دیوبند ۲۳ محرم ۱۳۸۴ھ (۱)

اس خط کے جواب میں حضرت شاہ صاحب کا وہی طویل مکتوب ہے جس کا

(۱) ماہنامہ معرفت حق فروری ۱۹۷۳ء ص ۳۲،۳۱

ایک جزء سابق میں گذر چکا۔ توحش از غیر کے متعلق جو علامہ نے تحریر فرمایا کہ یہ میرے مزاج کا حصہ ہے۔ اس کے متعلق حضرت شاہ صاحب نے تحریر فرمایا:

''اس سلسلہ میں ایک بات اور کہتا ہوں کہ یہ توحش کچھ برا بھی نہیں ہے بلکہ حالِ محمود ہے، اور آپ کا مذاق اس باب میں الحمد للہ حضرت حاجی (امداد اللہ مہاجر مکی) صاحبؒ کے مذاق سے متحد ہے۔ امداد المشتاق میں ہے۔ فرمایا: ''جب تک اپنی جنس کے لوگ رہتے ہیں طبیعت منبسط اور خوش رہتی ہے اور جب کوئی غیر آ جاتا ہے تو منقبض اور سست ہو جاتی ہے اور چاہتی ہے کہ جلد اس کو رخصت کیجئے۔'' کسی نے خوب ہی کہا ہے:

ایک تم سے کیا محبت ہوگئی ☆ ساری دنیا سے وحشت ہوگئی

مخلوق سے وحشت خالق سے تعلق کی علامت ہے۔ نیز حضرت سعدیؒ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ دانا کو نادان سے وحشت ہوتی ہے اور نادان کو دانا سے نفرت..........'' (۱)

شاہ صاحب نے سب سے اول علامہ ہی کو اپنا مجاز بنایا۔ چنانچہ ایک خط میں ارشاد ہے:

''میں نے ٹھان لیا تھا کہ نا اہل کو اجازت نہ دوں گا، تو اللہ تعالیٰ نے ایک اہل کو بھیجا جس سے میرے کام کی ابتدائی ہوئی۔'' (۲)

ایک خط میں شاہ صاحب علامہ اور اپنے تعلق کو اس طرح ظاہر فرماتے ہیں:

''میرے پیش نظر تو آپ سے تعلق کی وہی حیثیت تلمذ ہے اور آپکو جو تعلق مجھ سے ہوا اسکو تو بس اللہ تعالیٰ کا فضل اور انکی مہربانی ہی سمجھتا ہوں۔'' (۳)

چنانچہ حضرت شاہ صاحب نے علامہ سے مراسلت میں یہی اندازِ تلمذ باقی رکھا اور کئی مکتوبات میں علمی مسائل اور تحقیق طلب امور کے متعلق استفادہ فرمایا جن میں

(۱) ماہنامہ معرفت حق مارچ ۱۹۷۳ء ص ۲۵ (۲) ماہنامہ معرفت حق جنوری ۱۹۷۳ء ص ۳۲

(۳) ماہنامہ معرفت حق اپریل ۱۹۷۳ء ص ۲۵

سے حسب وسعت ایک دو چیزوں کو ہم آئندہ صفحات میں نقل کریں گے۔ انشاء اللہ

علامہ کے متعلق شاہ صاحب کے قلم سے نکلے ہوئے یہ توصیفی کلمات بھی ملتے ہیں:

''اکابر کے طرز کو جنابِ والا نے جس طرح عقیدۃً وعملاً پکڑا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ومحبوب ہے۔''(۱)

نیز یہ اظہار بھی فرمایا:

''میں نے جس قدر خلوص آپ کے اندر پایا کسی دوسرے کے اندر نہیں پایا بلکہ خود اپنے اندر بھی ویسا نہیں پایا۔''(۲)

ناظرین ان اقتباسات سے صاف ظاہر ہے کہ علامہ بلیاوی اور شاہ صاحب کا تعلق محض بیعت وتلقین کا ہی نہ تھا بلکہ علامہ اپنی خداداد بصیرت اور نورِ باطنی سے ایک ایسے فساد کا مشاہدہ کر رہے تھے جو ان کے بقول مسلک دیوبند، سنت وطریقت اور اکابر دارالعلوم کی زندگی وتعلیمات کے بالکل خلاف تھا، اسی کی اصلاح کی خواہش وتڑپ تھی جو علامہ کو الٰہ آباد حضرت شاہ صاحب کی خدمت میں لے گئی اور پوری صورتِ حال ان کے سامنے رکھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ خود علامہ نے بھی شاہ صاحب سے باطنی استفادہ کیا مگر اس کی حیثیت ثانوی تھی اور گویا بالواسطہ حضرت تھانویؒ سے اس اجازت کے بعد علامہ کی نسبت باطنی کو مزید تقویت حاصل ہوگئی، ورنہ جیسا کہ آپ پڑھ چکے ہیں کہ علامہ بیعت وارشاد کے سلسلہ کو خصوصی طور پر اس سے قبل ہی جاری رکھتے تھے۔ علامہ کی یہ کوششیں کسی حد تک بارآور بھی ہوئیں، چنانچہ ان کی تحریک وترغیب پر مولانا سید ارشاد احمد صاحب، مولانا سید محمد انظر شاہ صاحب کشمیری (صدر المدرسین دارالعلوم وقف دیوبند) وغیرہ حضرات حضرت شاہ صاحب کے دامن بابرکت سے وابستہ ہوگئے۔ اپنی اخیر عمر میں شاہ صاحب کے اصرار پر علامہ نے بیعت وارشاد پر خاص توجہ فرمائی، چنانچہ میرٹھ وغیرہ میں آپ کے متعلقین

(۱) ماہنامہ معرفت حق نومبر ۱۹۷۳ء ص ۲۸ (۲) ماہنامہ معرفت حق فروری ۱۹۷۳ء ص ۲۶

ومتوسلین کی کافی تعداد تھی، بعض حضرات کو اجازت سے سرفراز بھی فرمایا، تاہم علامہ نمائشی خانقاہوں، حریص وہوس کار پیروں اور آج جیسی ’’بازاری بیعت‘‘ سے ہمیشہ متنفر رہے، علامہ علمائے اسلام اور اکابر دارالعلوم کے سچے اور حقیقی جانشین تھے انہوں نے تحریر وتقریر کے نمائشی دعووں کے برعکس عملی طور پر اپنی اس حیثیت کو ثابت کر دکھایا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ کردار وعمل کی چھاپ مٹائے نہیں مٹتی۔

تقریر سے ممکن ہے نہ تحریر سے ممکن وہ کام جو انسان کا کردار کرے ہے

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی وفات

حضرت علامہ بلیاوی شاہ صاحب سے خصوصی عقیدت وتعلق رکھتے تھے جیسا کہ سابق میں گذرا، بعض تحریروں سے ظاہر ہے کہ حضرت شاہ صاحب کے انتقال نے حضرت علامہ کو بے حد رنج وصدمہ پہنچایا۔

حضرت شاہ صاحب کی وفات کے متعلق عام لوگوں میں بہت سی نا معتبر روایات جگہ پائے ہوئے ہیں اور بعض اہل علم بھی صحیح واقعہ سے بے خبر ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی وفات وتدفین کی صحیح ومعتبر تفصیل ہدیۂ ناظرین کر دی جائے تاکہ آئندہ کے لئے بھی محفوظ ہو جائے۔ رسالہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء میں لکھا ہے:

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتح پوریؒ کی وفات اور تدفین کے بارے میں ایس ایس مظفری کے امیر الحج جناب حاجی سلیمان، حاجی ایوب صاحب اینٹ والے نے جناب سیٹھ عبدالستار مل والے کے نام حسب ذیل مکتوب ارسال کیا ہے۔

برادرِ محترم جناب عبدالستار صاحب.......... السلام علیکم

۲۲ر نومبر کو ہمارا قافلہ حضرت شیخ کی معیت میں ساحل بمبئی سے بذریعہ مظفری نعرۂ تکبیر کی گونج میں جدہ کی سمت روانہ ہوا۔

شام کے وقت حضرت کی طبیعت ہشاش بشاش تھی، اتنی اچھی طبیعت میں نے نو دس مہینہ میں نہیں دیکھی تھی۔ نمازیں پابندی سے باجماعت ادا

فرماتے تھے، کیبن کی سیٹ اگرچہ اونچی تھی مگر بغیر کسی سہارے کے خود ہی بیٹھ جاتے تھے، روزانہ صبح کوڈیک پر چہل قدمی بھی فرماتے تھے۔
۲۴ رنومبر بروز جمعہ مغرب کی نماز سے فارغ ہوکر میرے ہمراہ کمرے میں تشریف لائے، تھوڑے سے وقفہ کے بعد بحیثیت امیر الحج اپنے فرائض کی ادائیگی کے لئے میں نے حضرت سے رخصت لے کر جہاز کا گشت شروع کیا، کیپٹن کے آفس میں جانے کے لئے جوں ہی نیچے اترا سامنے قاری مبین صاحب دکھائی دیئے اور فوری طور پر حضرت سے ملنے کے لئے کہا۔ میں فوراً حضرت کی خدمت میں پہنچا، دیکھا تو غشی طاری ہے، فوراً ڈاکٹر بلائے گئے، معلوم ہوا کہ ہائی بلڈ پریشر ہے، قے کا سلسلہ جاری تھا، انجکشن دیئے گئے قدرے افاقہ ہوا نبض کی رفتار اچھی تھی مگر غشی بدستور طاری تھی، ہم سب کا خیال تھا کہ طبیعت سنبھل جائے گی مگر قدرت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ رات کے وقت بارہ بج کر پانچ منٹ پر ہمیشہ کیلئے اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔
حضرت کے عزیزوں اور متوسلین کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا، جہاز کے کیپٹن کو خبر دی گئی اور حضرت کے خصوصی خادم جناب ذکی صاحب سے مشورہ کر کے ایک تار آپ کو اور ایک قدوائی صاحب انڈین سفیر جدہ کو دیا گیا۔ جواب بھی دونوں جگہوں سے بروقت موصول ہوئے۔ اس کے بعد حضرت کا جنازہ آئس بکس (برف کے صندوق) میں بند کردیا گیا۔ اس موقع پر کیپٹن ودیگر عملۂ جہاز نے ہمارے ساتھ پوری ہمدردی کا ثبوت دیا۔ کیپٹن کے مشورہ سے قدوائی صاحب کو پھر دوسرا تار جدہ بھیجا گیا کہ آپ سعودی حکومت سے منظوری حاصل کر کے فوراً مطلع کریں۔ مگر بدقسمتی کہ اس تار کا جواب نہ ملا۔ آخر کار ۲۹ رنومبر کی شب میں کیپٹن نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ اب تک حضرت کے جنازہ کے متعلق مجھے جدہ سے کوئی

ہدایت نہیں ملی ہے اور جہاز کل صبح جدہ پہنچ رہا ہے۔ سعودی حکومت کا قانون سخت ہے اب کیا کیا جائے؟ اس پر ہم نے کیپٹن کو صبح تک کے لئے راضی کیا۔ جب صبح سات بجے جہاز جدہ کے قریب پہنچا اور سعودی پائلٹ جہاز پر آیا تو معلوم ہوا کہ اس کو بھی میت کے بارے میں کوئی ہدایت نہیں ملی تھی۔ آخر مجبور ہو کر کیپٹن نے کہا کہ اب آپ لوگ یہیں تجہیز و تکفین کر دیں ورنہ اگر جہاز معہ جنازہ کے گودی میں داخل ہو گیا اور سعودی حکومت نے اجازت نہ دی تو میں سب مسافروں کو ساحل پر اتار کر جنازہ کے ساتھ واپس آجاؤں گا، اور پھر اس کو سمندر کے حوالہ کر دوں گا۔ اس وقت ہم نے حضرت کی فیملی اور متوسلین سے مشورہ کر کے فیصلہ کیا کہ ہم خود ہی کیوں نہ اپنے ہاتھ سے یہ کام انجام دے دیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور پھر جہاز گودی کی طرف روانہ ہوا۔ اچانک سامنے سے دو لانچیں نمودار ہوئیں جن میں قدوائی صاحب اور مغل لائن کے ایجنٹ بھی تھے، ان حضرات نے جنازہ طلب کیا مگر اس وقت سوائے کف افسوس ملنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ پھر ہم نے اور کیپٹن نے سارا واقعہ بیان کیا، یہ سن کر ان لوگوں نے بھی بڑا افسوس کیا۔ واضح ہو کہ قدوائی صاحب اور ایجنٹ دونوں نے جہاز کے کیپٹن کو باقاعدہ تار سے خبر کر دی تھی کہ سعودی حکومت نے حضرت کے جنازہ کو جدہ لانے کی اجازت دیدی ہے مگر افسوس کہ وہ تار نہیں ملا۔ جدہ کی گودی میں بھارتی و سعودی ایمبولینس معہ سامان تجہیز و تکفین اور جنازہ لے جانے کے منتظر تھے، یہی نہیں بلکہ مکہ معظّمہ جنت المعلّٰی میں حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کے پہلو میں قبر کھود کر بھی تیار کر لی تھی، مگر بے سود۔ بالآخر وہی ہوا جو قدرت کو منظور تھا۔ جس طرح حضرت اپنی زندگی میں فنا فی اللہ تھے اسی طرح اسکی راہ میں فنا ہو گئے۔ سچ ہے: حبیب اللّٰہ مات فی حب اللّٰہ

علالت ووفات

نظامِ قدرت ہے کہ ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا اور جو اس عالم فانی میں آیا اس کو ایک دن جانا ہے۔ عمر کی پچھترویں منزل تک بھی علامہ صاحب قابل رشک صحت کے مالک تھے یہاں تک کہ آخر وقت تک آپ کے تمام دندانِ مبارک نہایت مضبوطی کے ساتھ قائم تھے۔

عمر کے آخری سالوں میں آپ کو ضعف قلب کی شکایت پیدا ہوئی۔ علالت ووفات اور آخری ایام زندگی کے متعلق آپ کے صاحبزادے مولانا قاری محمد نعمان صاحبؒ نے جو سطور قلمبند کیں ان میں لکھا ہے:

''مولانا سید حسن دیوبندیؒ (۱) کے انتقال کے وقت سے حضرت کو قلبی دورہ شروع ہوا اور برابر علاج جاری رہا، حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی دعاؤں سے ایک حد تک مرض جاتا رہا مگر ضعف بہرحال باقی رہا۔(۲) جو عمر کا تقاضا بھی تھا۔

علامہ کو غالبًا اندازہ ہو چلا تھا کہ عنقریب انہیں سفر آخرت پیش آنے والا ہے، اسی لئے کئی ماہ قبل ہی آپ کے احوال واقوال سے اس طرح کے اشارات ملنے لگے تھے جن سے ایک دوربین اور فریس بخوبی سمجھ سکتا تھا کہ اب یہ آفتابِ جہاں تاب عنقریب غروب ہونے والا ہے۔

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

---

(۱) آپ دارالعلوم دیوبند کے عربی کے استاذ اور جید عالم دین مولانا نبیہ حسن کے صاحبزادے تھے، حضرت علامہ سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ ۱۳۲۴ھ میں ولادت ہوئی اور بیس سال کی عمر میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، حضرت تھانوی کے مجازِ صحبت ہونے کا شرف بھی حاصل تھا۔ فراغت کے چند سالوں بعد دارالعلوم میں درجۂ فارسی میں مدرس ہوئے اور بتدریج ترقی کرتے ہوئے عربی درجات میں بھی تعلیم دی۔ ۲۱ر جمادی الاول ۱۳۸۱ھ کو قلبی دورہ پڑا اور اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۴

''میں رجب کی ۲۷/تاریخ کو حضرت ممدوح سے رخصت ہوکر بمبئی روانہ ہوا، لیکن محسوس کرتا تھا کہ ان پر کچھ محویت کے آثار طاری ہیں، جیسے ربودہ ہوتا ہے۔ اس میں کچھ مجھ سے جدا ہونے کا بھی اثر تھا مگر یہ کیفیت کچھ اس سے آگے کی تھی۔ خلافِ عادت کچھ کلمات بھی ایسے ادا ہونے لگے جس سے سننے والا کچھ دوسرا گمان کرسکتا تھا۔ جیسے فرمایا کہ ''دنیا کچھ رہنے کی جگہ نہیں رہتی جارہی ہے۔''(۱)

محدثِ شہیر حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری مدظلہم العالی تحریر فرماتے ہیں:

''اس آخری سال نصف صدی کے معمول کے خلاف اسباق میں انہماک زیادہ رہا، تا آنکہ بعد مغرب خارج میں سبق کیلئے تشریف لاتے، معمولات میں یہ فرق بعض قیافہ شناس نظروں میں ان کی زندگی کے اختتام کا عنوان تھا۔''(۲)

دفتر تعلیماتِ دارالعلوم دیوبند میں مختلف نظماء کے زیر انتظام کامیابی اور مقبولیت کے ساتھ اپنے فرائض انجام دینے اور اپنی عمر کا بہت طویل حصہ گزارنے والے جناب منشی محمد عزیز صاحبؒ علامہ بلیاوی کے حسن انتظام، صفائی معاملات، زہد وتقویٰ، تدبر وفہم، اصول پرستی، حلم وبردباری، تواضع وانکساری اور علمی واخلاقی رفعت کے مداح ومعترف ہونے کے ساتھ ساتھ فرماتے تھے:

''اخیر شعبان میں حضرت علامہ نے معاملات کی صفائی اس انداز سے فرمائی کہ جیسے ان کو اپنے وقت موعود کا اندازہ ہوگیا تھا۔''

اسی طرح گھر والوں کے ساتھ جو معاملہ فرمایا اور بعض اس طرح کے ارشادات فرمائے جو دل گرفتہ کرنے والے تھے، اس کا ذکر آپ کے صاحبزادے نے تفصیل سے فرمایا ہے، ہم اس مضمون کو بعینہٖ نقل کرنا مناسب سمجھتے ہیں، لکھتے ہیں:

''حضرت نے جمادی الاولیٰ کے اوائل میں کمترین کو اپنے کمرے میں بلایا

---

(۱) علامہ کی یاد، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۲ (۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۷

اور تمام کواڑوں کو بند کرنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حضرت نے الماری سے ایک عربی رومال کمترین کو دیا اور فرمایا یہ رومال تم رکھ لو اور یہ آخری رومال ہے۔ اس لفظ کے بعد کمترین کے دل ودماغ پر ایک گونہ گہرا اثر ہوا۔ پھر حضرت نے غور سے دیکھا اور فرمایا کہ تم فکر نہ کرو۔ جب جمادی الثانی آیا تو ۱۴ر تاریخ کو پون بجے دن میں بلایا اور بلا کر اپنے کمرے میں لے گئے، فرمایا کل تیرے بچے آپس میں لڑے ہیں، جب میں گھر میں گیا تو تمہاری والدہ نے کہا: تم نے ہی بچوں کو بگاڑا ہے، ان باتوں سے مجھ پر اثر ہے، تو ان کو خوبصورت ذریعہ سے سمجھا دے کہ میرے بعد ایسا نہ کریں، اور اپنی والدہ سے کہدے کہ ابراہیم کی زندگی تھوڑی سی ہے۔

میں نے حسب الحکم حضرت کی باتوں کو ان سے کہہ دیا۔ جب رجب کا مہینہ آیا تو بتاریخ ۲۶ر رجب دریافت فرمایا کہ امتحان سے فارغ ہوا، نمبرات تو نے کیسے دیئے؟ میں نے عرض کیا کہ جہاں تک مناسب تھا، میں نے نمبرات دیدیئے، تو حضرت نے فرمایا، لا مجھ کو دکھا، میں نے نمبرات دکھلائے تو فرمانے لگے کہ نہایت ہی مناسب ہیں۔ میں ڈرتا تھا کہ کہیں کسی طالب علم کے نامناسب نمبرات نہ دیدیئے ہوں۔ جب شعبان شروع ہوا تو میرٹھ سے مولانا لائق علی اور حکیم الدین کا تقاضا میرٹھ آنے کا حضرت سے ہوا، تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میری طبیعت اچھی نہیں رہتی، میں ضعف زیادہ محسوس کررہا ہوں، اس لئے تو کسی سے آنے جانے کا وعدہ نہ کر بیٹھنا، مگر جب میرٹھ والوں کا زیادہ اصرار ہوا تو مجھے کہنے لگے: بھائی میرٹھ قریب ہے چلے چلو، کہیں یہ لوگ خیال نہ کریں کہ مرض کے بہانے اور ضعف کی وجہ سے ابراہیم نہیں آتا۔

غرض کہ حضرت میرٹھ تشریف لے گئے اور دوسرے دن صبح کو دیوبند واپسی ہوئی۔ جب اسٹیشن پر اترے تو ناصر تانگے والے کو یاد کیا اور کہنے لگے کہ

حضرت مدنی علیہ الرحمۃ بھی اسی تانگے پر آیا جایا کرتے تھے، میں بھی اسی پر چلوں گا۔ اس کے بعد مراد آباد والوں نے لے جانے کا بذریعہ خط ارادہ ظاہر کیا تو حضرت نے بلا کر وہ خط مجھ کو دیا اور فرمایا کہ تو لکھ دے کہ اب کی دفعہ ضعف زیادہ ہے اس لئے میرا ارادہ آنے کا نہیں ہے، مگر مولانا محمد حیات صاحب مہتمم مدرسہ حیات العلوم نے مولانا محمد زکوٰۃ اور قاری امیر احمد صاحب کو دیوبند بھیجا کہ حضرت کچھ گھنٹوں ہی کیلئے مراد آباد تشریف لے آویں۔ غرضیکہ ہر دو حضرات نے حضرت کو مجبور کیا تو حضرت نے فرمایا کہ جب مولانا حیات صاحب میرا آنا ہی ضروری سمجھتے ہیں تو میں انشاء اللہ ۱۳ر شعبان کی صبح کو دیوبند سے بقصد مراد آباد روانہ ہوں گا، تو تحریر کر دے۔ میں حضرت کے حکم کے مطابق ۱۳ر کی صبح کو حضرت کے ہمراہ مراد آباد چلا۔ سہارنپور اور دیوبند کے اسٹیشنوں پر یہ عرض کیا کہ پل پر چلنے سے مجھ کو تکلیف ہوگی لہٰذا نیچے ہی سے چل کر دوسرے پلیٹ فارم پر چلوں گا، چنانچہ دونوں جگہ ایسا ہی کیا گیا۔ جب سہارنپور پہنچے تو حضرت نے ڈبہ میں بیٹھنے کے بعد کہا کہ کوئی لطیف چیز کھلاؤ یا پلاؤ۔ میں ڈبہ میں سے باہر آیا اور دو سیب لئے اور ایک پاؤ انگور اور ایک موسمی، ان تینوں کو نچوڑ دیا ایک گلاس تیار ہوا، ذرا سی شکر ملا کر حضرت کو لیجا کر دیا، حضرت نے بڑے شوق سے پیا اور فرمانے لگے: نہایت لطیف ہے، منشاء کے مطابق تو نے کیا، اللہ تعالیٰ تجھے جزائے خیر دے۔ پھر میں نے پان پیش کیا اور چھوٹی الائچی۔

پان کھانے کے بعد جب گاڑی چلنے لگی تو فرمانے لگے کہ میں لیٹتا ہوں، میں نے پنڈلی دبانی شروع کی، نیند آنے لگی اور سو گئے۔ جب نجیب آباد آیا تو حضرت بیدار ہوئے اور مجھ کو آواز دی، میں نے گھبراتے ہوئے پوچھا کہ طبیعت تو اچھی ہے؟ فرمانے لگے اچھا ہوں، میرے پاس آ کر بیٹھ جاؤ، مجھ کو کچھ کہنا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ”تو جانتا ہے کہ تو کہاں سے آیا

ہے''؟ میں اس فقرے پر مبہوت ہوگیا، میں نے عرض کیا کہ آپ ہی فرمائیں، تو حضرت نے فرمایا کہ ''ہمارا قبیلہ ضلع جھنگ (پنجاب) سے آیا ہے، یہ قبیلہ جونپور میں جاکر بسا، تقریباً سو برس بعد اس کے کچھ افراد لکھنؤ میں اترے جن کے نام حضرت نے یہ بتلائے، مولانا عبد المجید، مولانا مظفر حسین ہیں۔ ان کا قیام فرنگی محل میں ہوا۔ جونپور میں ایک دور ایسا آیا کہ عام طور سے فاقہ کشی اور بدحالی پورے ملک میں پھیل گئی جس کا زیادہ اثر جونپور پر ہوا، تو ہمارے قبیلہ کے کچھ لوگ بہار اور مونگیر چلے گئے اور کچھ لوگ جن کے پاس سرمایہ کم تھا وہ بلیا میں رکے۔ فرمایا ان میں ہمارے پردادا بھی تھے۔ ہمارا قبیلہ بلیا میں تقریباً ۹۵/برس رہا اور میں نے اپنی زندگی دیوبند میں تقریباً ۶۳/برس گذاری، میں نے اس کو اپنا مستقل وطن بنالیا، اور ہمارے اکابر نے تقریباً ۵۵یا۵۶/برس تعلیم کی اعلیٰ کتابیں مجھے دیں اور آدھی صدی سے زائد تک بزرگوں نے دارالعلوم میں مجھے دخیل بنائے رکھا، مجھ سے جہاں تک ہوسکا بزرگوں کے کہنے پر چل کر کام کیا۔ تیری پیدائش محلّہ گدیواڑہ دیوبند کی ہے، جب تو پیدا ہوا تو مولانا شبیر احمد کی والدہ نے تجھے نہلایا اور حضرت شیخ الہندؒ کا پرانا کپڑا لے کر سیا اور پہنایا اور تجھ کو گود میں لے کر حضرت علیہ الرحمہ نے تیسرے دن آکر شہد چٹایا۔ یہ واقعہ سنا کر حضرت نے گاڑی ہی میں عصر کی نماز پڑھی، مراد آباد آگیا۔ مغرب کی نماز میں تھوڑی سی دیر تھی، حضرت نے مسلم مسافر خانہ والی مسجد میں نماز ادا کی، اس کے بعد گاڑی سے محلّہ پیرزادہ حیات العلوم پہنچے، عشاء کی نماز مدرسہ کی مسجد میں ادا کی گئی، بعدہٗ میں نے حضرت کو چائے پلائی اور آدھ گھنٹہ کے بعد حضرت کو نیند آگئی۔ ڈیڑھ بجے رات کو حضرت نے آواز دی، میں حضرت کے پاس پہنچا، فرمانے لگے: میرا دل بیٹھا جاتا ہے دورہ پڑ گیا۔ مولانا بشیر احمد صاحب کو میں نے بلایا، ان سب لوگوں

نے ڈاکٹر مصطفٰے صاحب کو فوراً بلایا میرے پاس انجکشن تھا، میں نے ڈاکٹر صاحب کو دیا بعدہٗ دوسرا انجکشن لگایا اور فرمانے لگے کہ صبح تک ٹھیک ہو جائیں گے۔ حضرت کو ایک گھنٹہ تک تکلیف رہی پھر نیند آ گئی اور صبح کو اٹھے اور آواز دی اور فرمایا کہ نعمان میں استنجاء کروں گا۔ استنجاء سے فارغ ہو کر جب آئے تو وضو کے لئے پانی میں نے چوکی پر رکھا اور مسواک دی، تقریباً پندرہ منٹ تک مسواک کر کے وضو سے فارغ ہوئے، فرمانے لگے مسجد چلو، میں نے عرض کیا کہ ڈاکٹر نے منع کیا ہے، کہنے لگے کہ فرض نماز ہے چلو، میں اپنے ہمراہ حضرت کو لے کر مسجد میں گیا، حضرت نے سنتیں ادا کیں، بعدہٗ جب نماز کا وقت آیا تو مجھ کو آواز دی کہ تو نماز پڑھا، میں نے سورۂ قیامہ اور سورۂ دہر نماز میں پڑھی، جب نماز ختم ہوئی تو حضرت کے ہمراہ قیام گاہ پر واپس پہنچا۔ اس کے بعد فرمانے لگے، چائے پلادو، میں نے چائے پلائی، پھر فرمایا رات کو زیادہ جاگنا پڑا، اس لئے تھوڑی دیر سوتا ہوں۔ نو بجے حضرت اٹھے، ڈاکٹر صاحب آ گئے دیکھا اور بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ اب آپ اچھے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ اب آپ دیوبند تشریف لے جاسکتے ہیں، چنانچہ سیالدہ ایکسپریس سے دیوبند کے لئے روانہ ہوئے، ریل میں بیٹھ کر سو گئے اور تقریباً پونے بارہ بجے رات کو لکسر میں بیدار ہوئے اور مجھ کو آواز دی۔ میں پاس آگیا، فرمانے لگے کہ جو باتیں میں پہلے کہہ چکا ہوں وہ لکھیں کہ نہیں؟ میں نے ڈائری نکال کر دکھلائی کہ میں نے یہ سب مختصر طور پر تحریر کر لی ہیں۔ اس کے بعد فرمانے لگے کہ اور باتیں بھی ذہن میں رکھو پھر تحریر کر لینا۔

حضرت نے فرمایا، ہم سات بھائی تھے، جن میں سب میں چھوٹا میں تھا، ان چھ کا انتقال ۹؍رمضان سے لے کر ۲۳؍رمضان تک مختلف مقاموں میں ہوا، اور میری تینوں بہنوں کا انتقال بھی رمضان میں ہوا، اور تیرے پردادا کا

انتقال ۲۷؍ رمضان اور تیرے دادا کا یعنی میرے والد کا انتقال ۲۵؍ رمضان کو ہوا۔

اتنے میں سہارنپور آ گیا، بہت خوش ہوئے، فرمانے لگے کہ اب جلد ہی دیوبند پہونچ جاؤں گا اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر چلوں گا۔ سہارنپور میں اتر کر معلوم کیا کہ اب کونسی گاڑی جائیگی، میں نے کہا کہ جنتا جائے گا، لیکن وہ دیوبند نہیں رکے گا۔ مسوری ایکسپریس ڈھائی بجے دیوبند پہونچے گی، سردی زیادہ ہے تھوڑی دیر یہیں قیام فرمائیں، صبح ہی ٹرین دیوبند کو جائے گی اس میں چلنا اچھا ہوگا۔

ویٹنگ روم میں لاکر بستر کر دیا گیا اور حضرتؒ آرام کرنے لگے اور نیند آ گئی، چھ بجکر دس منٹ پر اٹھے اور استنجاء سے فراغت کے بعد وضو اور مسواک کر کے نماز ادا کی، بعدہٗ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہوئے، گاڑی آ گئی۔ حضرت بطور خود سوار ہوئے، میں بستر بند لے کر بعد میں اس ڈبے میں آیا۔ عزیز سفیان سلمہٗ کو انھوں نے خود ہاتھ پکڑ کر چڑھایا، گاڑی چل پڑی، عزیز سفیان سلمہٗ سے پان مانگ کر کھایا اور اس سے ہی باتیں کرنے لگے۔ جب دیوبند کا اسٹیشن آیا تو چلتی گاڑی میں کھڑکی کھول کر کھڑے ہو گئے، رکتے ہی فوراً اترے اور خوش ہوئے۔ فرمانے لگے کہ جس تانگہ میں مولانا مدنیؒ جاتے تھے، ناصر ہے یا نہیں؟ ناصر بھی گیٹ پر موجود تھا، میں نے کہا کہ حضرت تجھے بہت یاد کرتے ہیں۔ وہ ناصر کے تانگہ پر جا کر بیٹھ گئے، میں بستر لے کر آیا، تانگہ چلا، پھل والے کی دوکان پر فرمایا کہ روک لو، وہاں حضرت نے پھل خریدے، گھر آئے اپنی عصا طاق پر لٹکا دی، مجھ کو بلایا، پھل میرے سامنے رکھ دیئے، پھل تقسیم کئے، اس کے بعد حضرت لیٹ گئے، پون بجے اٹھے، ظہر کی نماز ادا کی اس کے بعد کھانا کھایا، چار بجے اٹھے، عصر کی نماز ادا کی، باہر بیٹھ گئے۔ مفتی نظام الدین صاحب، مولانا

معراج الحق صاحب ،مولانا اشتیاق احمد صاحب، مولوی خورشید عالم صاحب یہ تمام حضرات آ گئے ،مغرب کی نماز تک یہ مجلس رہی، مغرب کی نماز ادا کی گئی، میں ہمراہ گھر میں آ گیا، فرمانے لگے ضعف زیادہ معلوم ہوتا ہے، ڈاکٹر ملہوترہ کو بلاؤ، عزیز غفران کو بھیجا، وہ ڈاکٹر ملہوترہ کو لے کر آ گئے، ڈاکٹر صاحب جب باہر آ گئے تو میں نے اور عزیز حمران نے پوچھا کہ کیا حالت ہے؟ تو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ نازک حالت ہے، اگر دس بجے تک دوسرا دورہ نہ پڑا تو ٹھیک ہو جائیں گے اور اگر پڑ گیا تو خطرہ ہے۔ تم لوگ ہر آدھے گھنٹے کے بعد مجھ کو اطلاع دیتے رہنا، چنانچہ گیارہ بجے شب میں حضرت بالکل ٹھیک ہو گئے، اطلاع دی گئی، ڈاکٹر صاحب بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے کہ میں صبح کو حاضر ہوں گا۔ یہ دن ۱۷رشعبان کا تھا اس کے بعد حضرتؒ ٹھیک رہے۔

ایک دن عصر کے وقت باہر ہی بیٹھے ہوئے وضو کر رہے تھے کہ کسی نے آ کر یہ خبر دی کہ حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا، یہ خبر سنتے ہی آپ کے ہاتھ سے لوٹا چھوٹ گیا، بعدہٗ وضو پورا کیا۔ اس دن سے کچھ کمہلا سے گئے تھے۔ مجلس شوریٰ میں بھی جانے سے انکار کر دیا، ضعف کی زیادتی کی وجہ سے شوریٰ میں شمولیت نہ ہو سکی۔ ۲۹رشعبان کو حکیم انیس احمد صاحب اور حکیم عبدالقدوس صاحب اور ڈاکٹر ملہوترہ وغیرہ کو بلایا اور فرمانے لگے کہ میرا روزہ رکھنے کا ارادہ ہے، ان سب نے بالاتفاق یہ کہا کہ آپ قطعاً روزہ نہ رکھیں۔ پہلی رمضان سے لے کر ۲۳ر رمضان تک پونے دوسیر آٹا اپنے سامنے تلوا کر غریبوں کو دیا کرتے تھے۔(۱)

(۱) آخرایام زندگی، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۴-۳۷

حضرت حکیم الاسلام کا ایک مکتوب

ممبئی سے ۱۵ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو حضرت قاری صاحبؒ نے حضرت علامہ کے نام ایک خط تحریر فرمایا۔ لکھا ہے:

حضرت مخدومی معظمی دامت برکاتہم

سلام مسنون مزاجِ گرامی

احقر بحمداللہ بعافیت ہے۔

حسب معمول یہاں پہنچ کر میں نے قیام گاہ ہی پر قرآن شریف کا بندوبست کیا تھا کہ گھر کے آٹھ دس آدمی سنتے رہیں گے، جس سے تعب نہ ہوگا، لیکن پہلے ہی دن پچاس کے قریب آدمی تھے، اگلے دن ستر اسی ہو گئے پھر سوسوا سو ہوئے اور اب تقریباً تین چار سو آدمی روزانہ جمع ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا وصی اللہ صاحبؒ کے متوسلین قریب قریب سب ہی آتے ہیں، میری حاضری سے انہیں غیر معمولی تسلی ہوئی ہے۔ کل جلسۂ عام میں جو مسجد جامع میں ہوا اور بہت بڑا اجتماع تھا، مرد ہی دس پندرہ ہزار تھے اور عورتیں بھی اسی قدر، اس میں میں نے تعزیتی ہی تقریر کی اور اس کا موضوع مولانا کی ذات اور ان کے مناقب تھے۔ اس تقریر کا خاص اثر ہوا ہے، بہت سی مشینوں میں یہ تقریر ریکارڈ ہوئی اور میری قیام گاہ پر روزانہ مع تراویح کے تمام تقریریں ریکارڈ کی جاتی ہیں، جن کا ایک کافی ذخیرہ یہاں جمع ہوگیا ہے۔ آں محترم سے دور ہوں تاہم حضرت سے جدائی شاق ہے، مگر یہاں کے مشاغل نے قدرے دل تھام رکھا ہے، اسہال ضعف کا زیادہ احساس ہورہا ہے، دعاء کی درخواست ہے۔

اس سال مشکوٰۃ شریف کی ایک جماعت صبح کے تیسرے چوتھے گھنٹہ میں رکھدی جائے، خواہ مولوی عبدالاحد صاحب کو دیدیں خواہ مولوی نعیم صاحب کو، اور اس کی جلد اول میرے نام پر لکھ دی جائے، ایک گھنٹہ جلد

اول میں پڑھاؤں گا اور ایک گھنٹہ دوسری جلد موصوف، اور جب کبھی سفر ہوگا تو دو کے دو گھنٹے وہی پڑھائیں گے، اس طرح طلبہ کا حرج بھی نہ ہوگا اور شغل حدیث بھی قائم رہے گا۔

مجھے کچھ طبعاً جو مناسبت مشکوٰۃ سے ہے، عجیب بات ہے کہ اور کسی کتاب سے نہیں۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام

محمد طیب غفرلہٗ

از بمبئی ۱۵ رمضان ۱۳۸۷ھ (۱)

۱۹ رمضان کی بات ہے کہ روزنامہ الجمعیۃ دہلی اور ملک کے دیگر مؤقر اخبارات نے یہ خبر شائع کی کہ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین اور عالم اسلام کی عظیم علمی شخصیت حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہے اور فالج کا حملہ ہوا ہے۔

اس خبر کا شائع ہونا تھا کہ علمی حلقوں، اہل مدارس، حضرت علامہ کے تلامذہ و متعلقین اور ملک کی سرکردہ دینی شخصیات بے قرار و مضطرب ہو اٹھیں۔ ہر طرف سے دارالعلوم اور علامہ کی رہائش گاہ پر دریافت احوال کیلئے خطوط و ٹیلی گرام آنے شروع ہوگئے، ہمیں اس سلسلہ کے جو چند خطوط دستیاب ہوئے ان کی نقل پیش قارئین ہے۔

مولانا سید فخرالدین احمد صاحب مرادآبادی کا خط

دہلی سے آپکے ہم درس اور جمعیۃ العلماء کے صدر حضرت مولانا سید فخرالدین احمد صاحب مرادآبادی نے مکتوب ارسال کیا۔

بگرامی خدمت محترم جناب مولانا ابراہیم صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج ایک خط سے حضرت علامہ پر اچانک فالج کے حملہ کا حال معلوم ہوکر سخت تشویش ہوئی، خدا کرے حالت روبہ اصلاح ہو، دیوبند میں اب تو

(۱) منقول از اصل مکتوب

میرے ساتھیوں میں صرف علامہ ہی نظر آتے ہیں۔ میرے لئے یہ خبر بہت ہی زیادہ پریشان کن اور موجب حزن وملال ہے۔ دعاء کرتا ہوں کہ موصوف کو صحت عاجلہ نصیب ہو اور آپ حضرات کو علامہ کی سرپرستی تادیر قائم رہے آمین۔

علامہ دارالعلوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، آپ کی اس پیرانہ سالی میں اس حادثہ کا اثر تمام ہی متعلقہ مدارس پر پڑے گا، اس لئے سب کو دست بدعاء ہونا چاہئے، گھر میں تمام خورد وکلاں کو سلام پہنچے۔

فخر الدین احمد غفرلہ(۱)

حضرت حکیم الاسلام کا دریافت احوال

حضرت علامہ کی علالت کی خبر بمبئی حضرت قاری صاحب کو پہنچی تو نہایت ملول ہوئے اور ایک عریضہ فوراً علامہ کی خدمت میں ارسال کیا، لکھتے ہیں:

۲۰/رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ از بمبئی

مکرمی ومحترمی (قاری نعمان صاحب) زید مجدکم

سلام مسنون نیاز مقرون

کل نائب صاحب کے تار سے حضرت علامہ مدظلہ العالی پر فالج کا حملہ ہونے کی اطلاع سے طبیعت اس قدر بے چین ہوئی کہ میں مضمحل ہو کر تراویح کے قابل بھی نہ رہ سکا، چنانچہ تراویح دوسرے حضرات نے الم تر کیف سے پڑھائیں۔

تراویح کے بعد میں نے مجمع سے خطاب کر کے حضرت علامہ مدظلہ کی شخصیت کا تعارف کرایا اور دعائے صحت کرائی، سب حضرات نے بڑے خشوع وخضوع کے ساتھ دعاء مانگی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

کل میں نے آپ کو تار بھی دیا کہ ہم بے چین ہیں، کچھ تفصیل لکھئے، شاید

(۱) منقول از اصل مکتوب

نائب صاحب کا کوئی خط آج مل جائے اور اس سے کچھ تفصیل معلوم ہو۔

بہر حال ہم سب دعاء کر رہے ہیں۔

مولانا کی خدمت میں سلام مسنون کے بعد مزاج پرسی فرما دیجئے۔

خط کا جواب ذیل کے پتہ پر دیجئے۔

معرفت حاجی محمد عمر اینڈ کمپنی مکان نمبر A\14-B1 باکورام شیر آباد

حیدر آباد۲۰ (آندھرا)

میں انشاء اللہ ۲۸ ر رمضان کو دہرہ ایکسپریس سے پہنچوں گا۔ والسلام

محمد طیب از بمبئی ۲۰ رمضان ۱۳۸۷ھ (۱)

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کا خط

حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

برادرِ عزیز (قاری محمد نعمان صاحب)

السلام علیکم!

کارڈ ملا۔ الجمعیۃ میں بھی خبر شائع ہوئی ہے، قلب مضطرب ہے، اپنے اختیار میں دعاء کے علاوہ اور ہے ہی کیا، آپ حضرت الاستاذ مدظلہ کی کیفیت جلد جلد لکھتے رہیں، فالج کا اثر بائیں جانب ہے یا دائیں جانب، عمر کی اس منزل میں یہ بے رحم حملہ حد درجہ باعث تشویش ہے۔

مولانا سعید احمد کو بھی خط لکھ رہا ہوں۔ فقط والسلام

عتیق الرحمٰن عثمانی

۲۰ ر رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ (۲)

مولانا محمد میاں صاحب کا مکتوب

حضرت مولانا محمد میاں صاحب نے اپنے اضطراب کا اظہار اس طرح کیا:

(۱) منقول از اصل مکتوب (۲) منقول از اصل مکتوب

محترم مولانا (قاری محمد نعمان صاحب)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاجِ گرامی!

آج اخبار میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کی علالت کی خبر پڑھی، سخت تشویش ہے، اللہ تعالیٰ جلد صحت عطا فرمائے۔ خیریت سے مطلع فرما کر ممنون فرمایئے، اور حضرت کی خدمت میں سلام عرض کر دیجئے۔ نیاز مند

محمد میاں دہلی

۱۹/رمضان ۱۳۸۷ھ ۲۲ دسمبر ۱۹۶۷ء (۱)

مولانا محمد ایوب اعظمی کا اظہارِ تشویش

الہ داد پورہ، مئو سے آپ کے خاص شاگرد اور مشہور عالم مولانا محمد ایوب اعظمی نے جب اخبارات میں علامہ کی علالت کی خبر پڑھی تو رنج والم میں ڈوب گئے۔ تحریر فرماتے ہیں:

الہ داد پورہ، مئو ۲۳/رمضان ۱۳۸۷ھ

مخدوم ومحترم اطال اللہ بقاءہٗ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اخبارات وبعض خطوط سے معلوم ہوا کہ اچانک آنجناب پر مرض کا حملہ ہوگیا، اور حالت خطرناک حد تک پہنچ گئی۔ یہ معلوم کر کے بے حد تشویش وپریشانی لاحق ہوگئی، اللہ تعالیٰ سے دعاء کرتا ہوں کہ وہ آں محترم کو صحت عاجلہ کاملہ عطا فرمائیں اور ہم لوگوں کو تادیر آپ کے علمی فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کا موقع دیں۔ آمین

قاری نعمان صاحب واپسی ڈاک سے حضرت علامہ کی صحت سے مطلع کریں، بے حد قلق ہے۔ فقط والسلام

محمد ایوب اعظمی ۲۶/دسمبر ۱۹۶۷ء (۲)

(۱) منقول از اصل مکتوب (۲) منقول از اصل مکتوب

حکیم عبدالجلیل صاحب کا مکتوب

دہلی سے آپ کے ایک اور متعلق وعقیدت مند جناب حکیم عبدالجلیل صاحب لکھتے ہیں:

برادرِعزیز قاری محمد نعمان صاحب السلام علیکم

آج کے الجمعیۃ اخبار سے حضرت مولانا ابراہیم صاحب مدظلہم العالی کی بیماری کا حال پڑھ کر سخت تشویش ہوگئی۔ میں شافیٔ مطلق کی جناب میں دعاء کرتا ہوں کہ مولانا کو صحت عطاء فرما کر تادیر ہمارے سروں پر سایہ فگن رکھے۔ میں عنقریب انشاءاللہ حاضر بھی ہوں گا۔ والسلام

حکیم عبدالجلیل عفااللہ عنہ

۱۹ ررمضان ۱۳۸۷ھ دہلی (۱)

ان مکاتیب سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس وقت برصغیر کے علماء میں آپ کا مقام کس قدر بلند وارفع تھا، شاید ہی مسلک دیوبند کا کوئی ایسا مدرسہ ہو جہاں بلاواسطہ یا بالواسطہ آپ کے شاگرد وفیض یافتہ موجود نہ ہوں۔

حادثۂ ارتحال

''آخر ایام زندگی'' عنوان کے تحت مولانا قاری محمد نعمان صاحبؒ آگے رقم طراز ہیں:

''۲۴ ررمضان تک حضرت کی کوئی نماز نہیں چھوٹی۔ ۲۴ ررمضان کی صبح کی نماز گیارہ بجے کے لگ بھگ ادا کی اور نماز سے پہلے یوں فرمایا:

''حضرت والد صاحبؒ کھڑے ہیں، تو ادب نہیں کرتا، حضرت مدنی کھڑے ہنس رہے ہیں اور بلا رہے ہیں۔ شاہ وصی اللہ صاحبؒ آئے ہیں، مجھ کو اٹھاؤ۔

(۱) منقول از اصل مکتوب

پھر پانچ منٹ کو غفلت ہوئی، پھر اٹھے اور فرمایا:
''صبح کی نماز پڑھ لوں'' ہم لوگوں نے کہا کہ ضرور ادا کر لیجئے، اس کے بعد اپنا دایاں ہاتھ اٹھا کر اللہ اکبر کہا اور حضرت کا منہ کھلا اور ہچکی لی۔
عزیز عمران نے نبض پر ہاتھ رکھا اور حمران نے دوسرے ہاتھ پر ہاتھ رکھا، دونوں رونے لگے کہ ''ابا کی نبض تو ڈوب چکی ہیں۔''
غرض کہ حضرت کو ہارٹ اٹیک ہوا اور ہمیشہ کے لئے واصل بحق ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔(۱)

تکفین وتدفین

۲۴/رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷/دسمبر ۱۹۶۷ء بروز بدھ بوقت صبح ساڑھے گیارہ بجے آپ نے وصال فرمایا۔ یہ خبر بجلی کی طرح پورے دیوبند میں پھیل گئی اور رنج وغم کے بادل چھا گئے، لوگ جوق در جوق حضرت علامہ کی رہائش گاہ کی طرف دوڑ پڑے۔

دیوبند کے اطراف میں بھی جیسے ہی اس حادثۂ جانکاہ کی خبر پھیلی تو ہزاروں لوگ جنازے میں شرکت کی غرض سے دیوبند پہنچ گئے۔

بعد نماز ظہر حضرت علامہ کی میت کو غسل دیا گیا، غسل مولانا شمیم احمد صاحب ناظم جمعیۃ علماء سہارنپور اور مولانا بلال اصغر صاحب نے دلایا، مولانا فخر الحسن صاحب، مفتی نظام الدین صاحب، مولانا معراج الحق صاحب اور جواد احمد صاحب نے معاونت فرمائی۔

ساڑھے تین بجے نمازِ جنازہ ادا کی گئی، حضرت علامہ کے صاحبزادے مولانا قاری محمد نعمان صاحب کی خواہش پر مولانا حمید الدین صاحب شیخ الحدیث مدرسہ عالیہ کلکتہ وممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے نمازِ جنازہ پڑھائی، چار بجے قبرستانِ

(۱) آخر ایام زندگی، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۷

قاسمی دیوبند میں آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔ مولانا بلال اصغر صاحب اور مولانا فخر الحسن صاحب نے حضرت علامہ کی میت کو قبر میں اتارا، اور اس طرح ایک تاریخ ساز شخصیت ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نظروں سے اوجھل ہوگئی۔

وفات کی خبر پر ہمہ گیر رنج وغم کا احساس اور تعزیتی پیغامات

اس حادثۂ جاں گسل کی خبر ذرائع ابلاغ کے ذریعہ ملک کے کونے کونے میں پہنچ گئی، آل انڈیا ریڈیو نے خصوصی طور پر اس خبر کو نشر کیا، جس سے ہندوستان اور اس کے باہر پاکستان، افغانستان، برما، ملایا، افریقہ اور انڈونیشیا میں پھیلے حضرت علامہ کے تلامذہ و متعلقین اور منتسبین میں صف ماتم بچھ گئی۔

آپکے انتقال کی خبر جیسے ہی اخبارات میں چھپی تو جیسے علمی دنیا سکتہ میں رہ گئی، ہر طرف صف ماتم بچھ گئی۔ ہم اس سلسلہ میں اخبارات ورسائل اور اہم مقتدر علمی شخصیات کی تعزیتی تحریروں کو پیش کرنا چاہیں گے، تاکہ اس شخصیت کے علمی مرتبہ اور روحانی مقام کا کچھ اندازہ ہوسکے، ساتھ ہی یہ مقصد بھی ہے کہ متفرق اوراق میں بکھری ہوئی یہ معلومات محفوظ ہوجائیں تاکہ مستقبل کا مورخ جب برصغیر کی علمی اور دینی مدارس کی تاریخ لکھے تو اسے ماضی کے کچھ گم گشتہ اوراق واقتباسات دستیاب ہوسکیں۔ ہمیں جو اخبارات ورسائل اور پیغاماتِ تعزیت حاصل ہوسکے وہ پیش خدمت ہیں۔

روزنامہ الجمعیۃ دہلی میں خبر وفات کی اشاعت

ملک بھر کے اخبارات نے اس خبر کو سرخیوں کے ساتھ شائع کیا، اس وقت ہمارے سامنے ۲۶؍رمضان ۱۳۸۷ھ (۲۹؍دسمبر ۱۹۶۷ء) بروز جمعہ کا روز نامہ الجمعیۃ دہلی ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی خبر وفات کی عبارت نقل کردی جائے، تاکہ آئندہ نسلوں کے لئے یہ تاریخی وثیقہ محفوظ رہے۔ اخبار مذکور نے اس خبر کو ''خبر اول'' کے طور پر لیا ہے۔ اس کے بعد دستیاب تعزیتی مضامین وخطوط اور

پیغامات نذرِ قارئین کئے جائیں گے۔لکھا ہے:

❖ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین حضرت علامہ محمد ابراہیم رحلت فرما گئے۔

❖ فاضل اجل، علامۂ دہر، جلیل القدر بزرگ، سرچشمۂ فیض وہدایت، آفتاب علم وکمال ہمیشہ ہمیشہ کے لئے غروب ہوگیا۔

❖ دیوبند کے درو دیوار پر رنج وغم کی فضا چھا گئی، جنازہ میں ہزاروں سوگواروں کی شرکت۔

❖ جمعیۃ علمائے ہند کے صدرِ محترم، ناظم عمومی اور دوسرے رہنماؤں کی جانب سے اظہارِ غم ودعائے مغفرت۔

❖ علامہ محمد ابراہیم کی میت کو دارالعلوم کے قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔

❖ دارالعلوم کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہوگیا۔

❖ دہلی ۲۷ر دسمبر۔ یہ خبر ہندوستان کے مسلمانوں میں عموماً اور علمی حلقوں میں خصوصاً انتہائی رنج وملال کے ساتھ سنی جائے گی کہ آج ایک اور آفتاب علم وہدایت ہمیشہ ہمیشہ کیلئے غروب ہوگیا۔ استاذ الاساتذہ، جامع معقول ومنقول، بحر العلوم حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند اور ناظم تعلیمات آج صبح ساڑھے گیارہ بجے دن میں واصل بحق ہوگئے۔ آپ پر فالج کا حملہ ہوا تھا جو جان لیوا ثابت ہوا، اور آج اپنے مولا کے حضور میں حاضر ہوگئے۔ اللّٰھم اغفرہ وارحمہ۔

❖ جمعیۃ علمائے ہند کے صدر محترم فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب اور جمعیۃ العلماء کے ناظم عمومی حضرت مولانا اسعد مدنی نے دینی اور علمی دنیا کے اس حادثۂ فاجعہ پر اپنے قلبی رنج وملال کا اظہار کیا ہے، اور اسے پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان قرار دیا ہے۔

❖ حضرت علامہ ابراہیم حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ان چند ممتاز، نمایاں اور جلیل القدر شاگردوں میں سے ایک گوہر نایاب تھے جن پر

دارالعلوم کے حلقوں اور علمی دنیا میں فخر کیا جاتا تھا، مگر آج حضرت شیخ الہندؒ کی یہ عظیم علمی یادگار ہمیشہ کے لئے ہم سے رخصت ہوگئی۔(۱)

مولانا سید فخر الدین احمد مراد آبادی کا اظہارِ رنج وغم

جمعیۃ علمائے ہند کے صدر محترم فخر المحدثین حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب نے علامہ ابراہیم صاحب کی وفات حسرت آیات پر اظہارِ رنج وغم کرتے ہوئے دعائے مغفرت فرمائی ہے، اور موصوف کے صاحبزادے قاری محمد نعمان صاحب اور دیگر پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی کیا ہے۔ مولانا نے کہا کہ ’’علامہ ابراہیم کی وفات سے دارالعلوم دیوبند ایک ایسے جلیل القدر بزرگ اور عالم دین سے محروم ہوگیا جس کا سایہ رحمت تھا‘‘ آپ نے کہا کہ ’’جو خلاء ان کی وفات سے پیدا ہوا ہے وہ مدتوں پُر نہ ہوسکے گا۔‘‘(۲)

حضرت مولانا سید اسعد مدنی کا اظہارِ حزن وملال

جمعیۃ علمائے ہند کے ناظم عمومی حضرت مولانا سید اسعد مدنی جو جامع مسجد دیوبند میں معتکف ہیں، یہ خبر سن کر دم بخود رہ گئے اور انتہائی حزن وملال کا اظہار فرماتے ہوئے کہا کہ ’’آج دارالعلوم کی تاریخ کا ایک اہم باب ختم ہوگیا اور ہم سب اس سرچشمۂ فیض اور آفتابِ علم وکمال سے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے محروم ہوگئے جو پورے عالم اسلام میں یکتائے روزگار تھے۔‘‘(۳)

مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلوی کا تعزیتی بیان

علامہ محمد ابراہیم صاحب صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کے حادثۂ ارتحال پر جمعیۃ علمائے ہند صوبہ دہلی کے صدر مولانا اخلاق حسین صاحب قاسمی نے اپنے تعزیتی بیان میں فرمایا ہے: ’’استاذِ محترم حضرت علامہ محمد ابراہیم

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۷ء منتخباً (۲) (۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۹؍دسمبر ۱۹۶۷ء (۳) ایضاً

بلیاویؒ کی وفات اس دور کے رازی اور غزالی کی وفات ہے۔ علامہ صاحب موجودہ تحریک حریت کے بانی حضرت شیخ الہندؒ کے شاگردِ رشید تھے، موصوف نہ صرف قدیم فلسفہ اور منطق کے امام تھے بلکہ حکمت ولی اللٰہی اور دینی فلسفہ میں اپنے دور کے بے مثال عالم، محقق اور مبصر تھے۔

موصوف کے حادثۂ ارتحال سے جو خلاء پیدا ہوا ہے سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے علمی دنیا کس طرح پُر کرے گی۔'' (۱)

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کا تعزیتی مکتوب

مکرم ومحترم جناب نائب (مولانا مبارک علی) صاحب مدفیوضکم

بعد سلام مسنون! اسی وقت عصر سے ذرا قبل دستی گرامی نامہ سے حادثۂ جانکاہ کا حال معلوم ہوکر بہت ہی قلق ہوا۔ مفتی محمود صاحب کی زبانی گذشتہ جمعرات کو ابتدائے علالت کا حال تو معلوم ہوگیا تھا، اس کے بعد ہر آنے والے سے خیریت بھی معلوم کرتا رہا، اور ہر جانے والے سے سلام اور عیادت بھی کراتا رہا۔ جمعہ کے دن سے افاقہ کی خبریں سنتا رہا۔

مولانا مرحوم کے پیامات بھی متعدد لوگوں کے ذریعہ سلام اور دعاء کے پہنچتے رہے، کل بھی متعدد لوگوں نے افاقہ کی خبریں سنائیں۔ اس ناگہانی اطلاع سے بہت ہی چوٹ لگی، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

مجھے پسماندگان میں قاری نعمان کے علاوہ کسی اور کا علم نہیں، غالباً وہ دیوبند ہی میں ہوں گے، یہ عریضہ کسی کے ذریعہ سے قاری صاحب کے پاس بھیج دیں اور ان کے ذریعہ سے بقیہ اعزہ کو بھی یہ تعزیت کا مضمون پہنچادیں۔ عصر کی نماز کے بعد بھی دعائے مغفرت اور ایصالِ ثواب کرایا گیا اور یہاں تراویح کے بعد ختم یٰسین کا معمول ہے اس وقت بھی تقریباً چار سو کا مجمع ہے،

(۱) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۲۹ر دسمبر ۱۹۶۷ء

آج کی یٰسین کا ثواب سب نے ان کو پہنچا دیا، اور بھی احباب سے ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت کی درخواست کی گئی ہے۔

جو آیا ہے جانے کے واسطے آیا ہے، لیکن اچھے حالات آخری وقت کے سننے میں آتے ہیں تو طبیعت کو مسرت ہوتی ہے، ماہِ مبارک کا زمانہ جو مغفرتِ عامہ کا ہے، اللہ نے اپنے فضل سے میسر فرمایا جو انشاءاللہ بڑی بشارت ہے اور امید افزا۔

دارالعلوم کیلئے بھی یہ حادثہ نا قابل تلافی ہے، اکابر میں جو بھی جا رہا ہے اپنی جگہ خالی چھوڑ کر جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہی دارالعلوم کیلئے بہترین بدل میسر فرمائے۔ ابھی مولانا وصی اللہ صاحب کا حادثہ دلوں سے زہول نہیں ہوا تھا کہ یہ دوسرا حادثہ پیش آ گیا، اللہ تعالیٰ ہی ہم لوگوں کے حال پر رحم فرمائے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ لِلّٰہِ مَا اَخَذَ وَلَہٗ مَا اَعْطٰی۔

حضرت مہتمم صاحب تو تشریف نہیں رکھتے ہوں گے، اگر تشریف لے آئے ہوں تو بعد سلام مسنون مضمون واحد۔ آپ کوئی خط لکھیں تو تعزیت کا مضمون مختصر طور پر لکھ دیں، ماہِ مبارک میں خط لکھنے کا وقت اس ناکارہ کو بالکل نہیں ملتا۔ اسی وقت شروع کیا تھا اب عشاء کے بعد پورا کر رہا ہوں۔ سنا ہے کہ صبح کو متعدد لوگ حاضر ہو رہے ہیں۔ فقط والسلام

حضرت شیخ الحدیث مدظلہٗ

بقلم محمد سلمان ۲۴؍ رمضان ۱۳۸۷ھ (۱)

مولانا سید محمد میاں صاحب کا اظہارِ تعزیت

محترم مولانا (قاری محمد نعمان صاحب) اعظم اللہ اجرکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

آج حضرت علامہ اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ رحمہ اللہ

(۱) منقول از اصل مکتوب

وسقاه بشابيب رحمته، كل من عليها فان ويبقىٰ وجه ربك ذوالجلال والاكرام۔

یہ ایک ایسا کلیہ ہے جس سے کوئی مستثنیٰ نہیں، صدمہ اس کا ہے کہ عالم کی موت پورے عالم کی موت ہوتی ہے۔ آج صرف آپکے سر سے سایۂ پدری نہیں اٹھا بلکہ ہم جیسے کم مایہ سب ہی یتیم ہوگئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

اللّٰهم اغفرله وارحمه واكرم نزله وارفع درجته فى المهديين۔

جملہ متعلقین کو احقر کی طرف سے تعزیت کر دیجئے۔ احقر آجکل مسجد میں مقیم ہے اس لئے اس وقت حاضری سے معذور ہے، اللہ تعالیٰ آپ سب حضرات کو صبر جمیل کی توفیق بخشے اور آپ سب کی مدد فرمائے۔ والسلام

نیاز مند محتاجِ دعاء

محمد میاں

ازمسجد نواب قاسم جان دہلی (۱)

مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کا خراجِ عقیدت

''حضرت مولانا بلیاوی دارالعلوم کے مایۂ ناز محقق عالم تھے، درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین استاذ تھے۔ اپنی حیات کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم وتدریس میں صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دی۔ قوتِ حافظہ، اور حسن تعبیر میں خصوصاً معقول ومنقول کے مشکلات حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے، پاک وہند کے ہزاروں علماء کے استاد تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے سلف کی یادگار تھے۔'' (۲)

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کا اظہارِ غم

۲۵ رمضان ۱۳۸۷ھ کو آل انڈیا ریڈیو کے ذریعہ اچانک یہ خبر ملی کہ

(۱) منقول از اصل مکتوب (۲) ماہنامہ بینات کراچی، ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ۔ از مولانا محمد یوسف بنوریؒ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحبؒ کے قافلہ کی آخری کڑی اور دارالعلوم دیوبند کے ایک قرن کی آخری یادگار استاذِ محترم علامہ محمد ابراہیم بلیاوی صاحب بھی دنیا سے رحلت فرما کر اپنے سابقین کے ساتھ جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

۱۳۶۷ھ میں جب احقر نے پاکستان کی طرف ہجرت کی تو میرے اساتذہ کی صف میں صرف دو حضرات دارالعلوم میں باقی تھے، پھر شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کی وفات کے بعد دیوبند میں صرف یہی استاذ اور بزرگ باقی رہ گئے تھے، ان کی عنایات اور شفقتِ بزرگانہ سے اس بعد بعید کے باوجود محروم نہیں تھا۔ افسوس کہ آج یہ سایۂ شفقت بھی اٹھ گیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ۔

دارالعلوم کی علمی ساکھ اور بہت سے انتظامی امور آپ ہی سے وابستہ تھے۔ حضرت علامہ ہزار ہا اکابر علماء کے استاذ تھے، ہندو پاکستان کے موجودہ اربابِ علم میں اکثریت ان کے شاگردوں کی ہے اور دونوں ملکوں میں سیکڑوں مدارس ایسے ہیں جو مولانا مرحوم کے ہی شاگردوں سے آباد ہیں۔ اب کون کس کی تعزیت کرے؟ اصل بات یہ ہے کہ حضرت علامہ کا ہم سب پر حق ہے کہ اپنی اپنی مقدور کے مطابق ایصالِ ثواب اور دعائے مغفرت ورحمت کا سلسلہ جاری رکھیں۔ اللّٰهم اغفرله مغفرة ظاهرة وباطنة لا تغادر ذنبا و اجعل آخرته خيرا من الاولىٰ ولا تحرمنا خيرا بعده۔(۱)

مولانا محمد تقی صاحب عثمانی کی تعزیتی تحریر

''ابھی برصغیر کے مسلمانوں کے لئے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب کی وفات کا غم تازہ تھا کہ آج جبکہ رسالہ پریس جارہا ہے، اچانک روزنامہ

(۱) ماہنامہ البلاغ ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ ص ۴۲، ۴۳ منتخباً

جنگ کراچی سے استاذ الکل حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند کی وفات کی المناک اطلاع نے دل پر ایک نیا چرکا لگا دیا۔

حضرت مولانا بلیاوی برصغیر کے تقریباً تمام مشاہیر علماء کے جلیل القدر استاذ تھے اور علم وفضل، ورع وتقویٰ میں اسلامی قرن کی ایک یادگار، آپکے ساتھ پوری ایک قرن کی تاریخ ختم ہوگئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔(۱)

علم کا ایک خزانہ چھن گیا، علمائے وقت یتیم ہو گئے

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا بیانِ تعزیت

حضرت قاری صاحب نے حیدرآباد سے واپسی پر دہلی میں اخبارات کو جو بیان جاری کیا اس میں اس حادثۂ جانکاہ پر اپنے دلی رنج وغم کا اظہار ان الفاظ میں فرمایا۔

حضرت علامہ اپنے بزرگوں کے علم واخلاق کے نمونہ اور ان کی علمی یادگار تھے، صاحب معقول ومنقول شخصیت تھے، ان کی مجلس میں کسی بھی علم وفن کا کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو بہت کم اور مختصر لفظوں میں اس کا ایسا جامع جواب دیتے تھے کہ مسئلہ کا حکم ہی نہیں اس کی لِمِ اور حقیقت بھی سامنے آجاتی تھی۔ ہر علم وفن میں ان کی ایک منقح رائے ہوتی تھی جو فن کا نچوڑ ہوتی تھی، جس سے واضح ہوتا تھا کہ وہ صرف مسائل ہی کو مانے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ ان کی پوری تحقیقات بھی کئے ہوئے ہیں۔

ان کے درس میں فہیم طالب علم کو محض کتاب ہی نہیں آجاتی تھی بلکہ فن پر بھی عبور ہو جاتا تھا۔ حضرت ممدوح حضرت شیخ الہندؒ کے اجل تلامذہ میں سے تھے، نہ صرف تلمیذ بلکہ ان سے بیعت بھی تھے، لیکن ان کے تعلیمی رنگ میں تصوف کی یہ جہت ہمیشہ مستور ومخفی رہی۔ آخر عمر میں حضرت مولانا شاہ

(۱) ماہنامہ البلاغ شوال ۱۳۸۷ھ

عبدالقادر صاحب کی طرف رجوع فرمایا، خود میرے ساتھ کئی بار رائے پور کا سفر کیا، حضرت اقدس بھی حضرت علامہ کی طرف غیر معمولی توجہ فرماتے تھے، بالآخر حضرت رائے پوری نے اجازت مرحمت فرمائی، لیکن حضرت علامہ نے اس سلسلہ کو کبھی نمایاں نہیں ہونے دیا، اپنے معمولات واوراد واذکار کے شدت سے پابند تھے۔(۱)

دارالعلوم دیوبند میں تین روز تک حضرت علامہ کے لئے ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا، اس دوران دارالعلوم میں دفاتر بند رہے اور جملہ متعلقین دارالعلوم نے ختم میں شرکت کی۔ آخری روز ۲۸ ؍رمضان ۱۳۸۷ھ کو حضرت قاری محمد طیب صاحب بھی شریک ہو گئے۔

حضرت علامہ محمد ابراہیم کی وفات عالم اسلام کیلئے اہم حادثہ ہے
الحاج مولانا قاضی زین العابدین کے تأثراتِ غم

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ کا سانحۂ ارتحال عالم اسلام کے علمی ودینی حلقوں کے لئے عموماً اوردارالعلوم دیوبند کے منتسبین کے دائرہ میں خصوصاً ایک اہم حادثہ ہے۔

حضرت مولانا جو معقولات ومنقولات میں اعلیٰ پایۂ علمی رکھنے کی وجہ سے ''حضرت علامہ'' کے لقب سے پکارے جاتے تھے، حضرت شیخ الہندؒ کے فیض یافتہ تھے، علوم عقلیہ میں تو پہلے ہی بے مثل شہرت کے مالک تھے، مگر جب آپ نے حدیث وتفسیر کے درس کی ذمہ داری قبول فرمائی تو اس میدان میں بھی آپ نے ممتاز مقام حاصل کیا، خصوصاً حدیث کا درس آپ کا طرۂ امتیاز رہا۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی قدس سرہ العزیز کی وفات کے بعد ۱۳۷۷ھ میں آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور فخر

(۱) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۸ء

العلماء حضرت مولانا سید فخر الدین شیخ الحدیث کے منصب پر فائز ہوئے۔
صدارتِ تدریس کے علاوہ ناظم تعلیمات کا اہم عہدہ بھی آپ ہی سے متعلق تھا، ان دونوں مناصب جلیلہ کی ذمہ داریاں آپ نے دس سال تک حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیں۔ آپ کے علم وفضل، فہم وتدبر اور بزرگی کی وجہ سے نہ صرف طلبہ واساتذۂ دارالعلوم بلکہ ارکانِ مجلس شوریٰ بھی (جن میں سے اکثر کو آپ کی شاگردی کا فخر حاصل تھا) آپ کی رائے کا بڑا احترام کرتے تھے، آپ بھی سب کے ساتھ عزت ومحبت کا سلوک کرتے تھے اور بزرگانہ شفقت سے نوازتے رہتے تھے۔
علومِ ظاہری کے علاوہ فیوضِ باطنی میں بھی پہلے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیا پھر حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت کا تعلق قائم ہوا۔ اب آخر میں مرشدی حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب سے (جو آپ کے علومِ ظاہری میں تلمیذ رشید تھے) روابط قائم فرمائے۔
حضرت شاہ صاحب کی وفات حسرت آیات سے آپ بے حد متأثر ہوئے۔ گذشتہ شعبان کے اواخر میں جو مجلس شوریٰ دارالعلوم میں منعقد ہوئی، اس میں آپ نے شرکت نہیں فرمائی، تحقیق کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت شاہ وصی اللہ کے حادثۂ انتقال کا جس کی خبر ہمیں اجلاسِ شوریٰ سے ایک روز قبل ملی تھی، آپ کی طبیعت پر بڑا اثر تھا، افسوس کہ چند روز بعد ہی آپ نے بھی آغوشِ رحمتِ الٰہی میں حق رفاقت ادا کیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔
اگرچہ آپ نے تقریباً ۹۰ رسال کی عمر پائی مگر بزرگانِ کرام کے سایہ سے محرومی، بڑی محرومی ہے، آپکی وفات سے دارالعلوم میں بڑا خلا پیدا ہوگیا ہے، اب یادگارِ سلف حضرت مولانا فخر الدین احمد مدظلہٗ اور فخر الاماثل حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ رہ گئے ہیں، انہیں کے دم سے دیوبند

کی رونق باقی ہے، انکی عمر میں اللہ تعالیٰ برکت عطافرمائے اور حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کو اپنی آغوشِ رحمت ورافت میں جگہ عطافرمائے۔

حدیث صحیح میں رمضان المبارک کے آخری عشرہ کے متعلق فرمایا گیا ہے: وآخرہ عتق من النار کہ اس میں عام طور پر دوزخ سے رہائی دی جاتی ہے۔ جس ہستی کی ساری عمر خدمت دینی میں گذری، کیوں نہ وہ مقامِ کرامت پر فائز کیا جائے۔(۱)

مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کا اظہارِ تعزیت

بنگلور ۲۸/دسمبر۔

حضرت علامہ کی رحلت کی المناک اطلاع دل ودماغ کے لئے کوہِ الم ثابت ہوئی۔ علامہ موصوف اس وقت تقریباً (ایشیا اور افریقہ کے) تمام مستند علمائے کرام کے استاذ تھے۔ حضرت مرحوم ومغفور کی ذاتِ گرامی علم وتحقیق کے لحاظ سے مرجع الامر تھی، اور مسائل کی الجھی ہوئی گتھیاں حضرتِ والا کی مجلس خصوصی میں بآسانی کھل جاتی تھیں۔ آج حضرت علامہ کی وفات سے علمی، دینی اور تحقیقی حلقوں میں جو عظیم خلاء پیدا ہوا ہے بدرجۂ اتم اس کا پُر ہونا اگر ممکن نہیں تو مشکل تر ضرور ہے۔

حضرت کے حادثۂ رحلت سے ایشیا کی واحد مرکزی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اپنے ایک جلیل القدر فرزند سے محروم ہوگئی ہے، مولانا کی رحلت کا غم تنہا ایک گھرانے یا جماعت کا غم نہیں ہے، بلکہ آپ کا غم پوری علمی دنیا کا بین الاقوامی غم ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرتِ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل ارزانی فرمائے اور دارالعلوم دیوبند کے اس نقصانِ عظیم کی تلافی مرحوم کے اخلافِ علمی کے ذریعہ فرمائے۔ احباب سے میری

(۱) روزنامہ الجمعیۃ، شمارہ ۳۰/دسمبر ۱۹۶۷ء

استدعاء ہے کہ مرحوم کیلئے زیادہ سے زیادہ ایصالِ ثواب فرما کر ثوابِ دارین حاصل فرمائیں۔

احقر محمد سالم قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند
نزیل بنگلور(۱)

مولانا میرک شاہ صاحب کا خط

محترم المقام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب زادمجدہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند السلام علیکم

آج نوائے وقت لاہور میں نئی دہلی سے آئی ہوئی یہ خبر پڑھی کہ جامعہ دیوبند کے صدر مدرس مولانا محمد ابراہیم صاحب کا انتقال ہوگیا۔ اِنَّـا لِلّٰـهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔

یہ خبر پڑھ کر جو صدمہ ہوا وہ ناقابل بیان اور اس کی تشریح وتفصیل میرے لئے خارج از امکان ہے۔ دہلی سے آئی ہوئی خبر کی بنا پر پہلے طبیعت کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ ہمارے مولانا نہیں ہوں گے، لیکن خبر میں جامعہ دیوبند کا لفظ اس تاویل کو جھٹلانے کے لئے کافی تھا، اس لئے یہی یقین کر لینا پڑا کہ یہ جانکاہ خبر حضرت الشیخ مولانا بلیاوی کی وفات کے متعلق ہے۔

آہ! یہ چاند بھی غروب ہوگیا۔

اگر تکلیف نہ ہو تو مطلع فرماویں کہ یہ سانحہ کہاں پیش آیا، دیوبند میں یا ان کے اپنے وطن مالوف بلیا میں؟

ان کے صاحبزادے کا پتہ مجھے معلوم نہیں، اس لئے میری طرف سے پسماندگان کو پیغامِ تعزیت پہنچانے کی تکلیف بھی دیتا ہوں۔ فقط والسلام

عاصی نامہ سیاہ
میرک شاہ کشمیری عفااللہ عنہ وعافاہ (۲)

---

(۱) روزنامہ الجمعیۃ، شمارہ یکم جنوری ۱۹۶۸ء (۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء

آفتابِ علم حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کی رحلت

مولانا عبدالباری قاسمی جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارک پور کا اظہارِ تعزیت

ڈاک سے ۲۸ر دسمبر ۱۹۶۷ء کو ۲ر بجے دیوبند سے استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین وناظم تعلیمات دارالعلوم دیوبند کی وفات حسرت آیات کی اطلاع بذریعہ تار ملی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

حضرت علامہؒ کے سانحۂ ارتحال کے حادثۂ فاجعہ نے ایک دم دل ودماغ کو ماؤف کر دیا اور قصبہ میں رنج والم کے بادل چھا گئے۔ یہ المیہ نہ صرف ہندوستان و پاکستان بلکہ پورے ممالک اسلامیہ کے اہل علم کے لئے باعث رنج والم ہے۔ علامہؒ کے انتقال کی وجہ سے تحقیق وتدقیق علوم و معارف کی دنیا میں جو خلا پیدا ہو گیا ہے اس کا پر ہونا ناممکن نظر آتا ہے۔ اگرچہ حضرت کی نشو ونما صوبہ یوپی کے ایک پچھڑے ہوئے مقام بلیا میں ہوئی، مگر کمالِ علم وفن نے ایشیاء کی واحد درسگاہ کی صدارت تک پہنچا کر بین الاقوامی شخصیت بنا دیا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے اور صاحبزادۂ محترم مولانا قاری حافظ محمد نعمان صاحب وجمیع متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین ثم آمین۔

(عبدالرؤف آفس انچارج احیاء العلوم مبارک پور) (۱)

ندوۃ المؤلفین ہاٹ ہزاری چاٹگام، مشرقی پاکستان کی طرف سے اظہارِ تعزیت

مخدومنا جناب مولانا ازہر شاہ صاحب قیصر دام مجدہم ....عید مبارک!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء

مشرقی پاکستان کی عیدگاہوں اور تمام مدارسِ اسلامیہ میں (حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب کے لئے) ایصالِ ثواب اور فاتحہ خوانی ومغفرت کی دعاء کی گئی۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس کے مراتب علیا اور اخلاف ومتوسلین کو صبر جمیل اور نعم البدل عطا فرمائیں۔

خدام الحمدللہ بخیریت ہیں، امید کہ آنجناب مع اہل وعیال بخیریت مزاج ہوں گے۔ تمام اہل بیت ومنتظمین کو سلام واستدعاء دعاء پیش ہو۔

۶ر شوال اتوار سے مدرسہ کھل جائے گا۔ توفیق خدمت دین کیلئے عنداللہ دعاء فرمائیں۔ فقط والسلام

نیاز کیش نذیر احمد غفرلہٗ

(ناظم ندوۃ المؤلفین ہاٹ ہزاری چاٹگام مشرقی پاکستان) (۱)

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر صاحبؒ کی تعزیتی تحریر

دارالعلوم نے شدت کے ساتھ حضرت مولانا کے حادثۂ رحلت کا صدمہ محسوس کیا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اس دورِ قحط الرجال میں یہ علمی نقصان پوری علمی دنیا کے لئے ناقابل تلافی ہے، مولانا مرحوم حدیث وتفسیر اور دوسرے علمی موضوعات کے متبحر عالم ہوتے ہوئے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علم کلام اور خاص فلسفۂ فکر کے حامل تھے، حضرت نانوتویؒ کے علوم کے لئے آپ کا وجود ایک زبان اور ایک قلم کا کام دیتا تھا۔ افسوس ہے کہ چند ایسے بزرگ جو حضرت نانوتوی کے علوم کو سمجھتے تھے ہم سے پہلے جدا ہوگئے تھے، اب آخری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی تھی جس کے علم اور روحانی فیضان سے بھی ہم محروم ہوگئے۔ (۱)

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء (۲) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۸ء

تجویز تعزیت دفتر اہتمام دارالعلوم دیوبند

تجویز تعزیت بروفات حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

زیر صدارت: حضرت مولانا مبارک علی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دارالعلوم کے اساتذہ، کارکنان اور طلبہ کا یہ اجتماع حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے اور دلی رنج والم کا اظہار کرتا ہے۔ حضرت علامہ اپنے علم و فضل اور زہد و تقویٰ کے لحاظ سے طبقۂ علماء کی ایک بے نظیر شخصیت تھے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے ممتاز شاگرد اور دارالعلوم کے صدر المدرسین اور ناظم تعلیمات کی حیثیت سے ایک عظیم انفرادی عظمت وشان ان کی ذات سے وابستہ تھی۔ یکم محرم ۱۳۳۱ھ سے تادم واپسیں تقریباً ۵۶ر سال کی طویل مدت تک دارالعلوم میں تفسیر وحدیث اور عقائد وکلام اور دوسرے علوم کے درس وتدریس کی جو نمایاں اور بے مثال خدمات انہوں نے انجام دیں وہ دارالعلوم کی علمی تاریخ کا ایک تابناک اور زریں باب ہے۔ ایک عظیم اور بزرگ شخصیت، سرچشمۂ فیض وہدایت اور آفتابِ علم وکمال تھا، حدیث وتفسیر کے ساتھ علم عقائد وکلام میں آپ کی ذات بلا مبالغہ بے مثال تھی نیز حضرتِ مرحوم حضرت نانوتویؒ کے علوم کے امین وحامل تھے۔(۱)

تجویز تعزیت مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند

مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند کا یہ غیر معمولی اجلاس سب سے پہلے حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیمؒ کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے تأثرات اور دلی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور دارالعلوم دیوبند سے ایک ایسی یگانۂ روزگار

(۱) روداد عمل دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۷ھ

شخصیت کے اٹھ جانے کو ایک زبردست علمی حادثہ تصور کرتا ہے۔

حضرت مولانا مرحوم ایک جید عالم اور بے نظیر استاذ تھے، انہوں نے نصف صدی سے زائد دارالعلوم دیوبند کی تدریسی خدمات انجام دیں اور ایک عرصہ تک تدریس کے ساتھ صدارت اور نظامت تعلیمات کے فرائض بھی نہایت عمدگی کے ساتھ انجام دیئے، تفسیر وحدیث کے علاوہ عقائد وکلام اور منطق وفلسفہ میں جو کمال ان کو حاصل تھا وہ علمی حلقوں میں آپ اپنی مثال تھا، ان کی زندگی نہ صرف طلباء کے لئے بلکہ عموماً علماء اور ہم سب کے لئے علم کا ایک روشن مینار تھی، جسے کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

جماعت دارالعلوم اپنے جلیل القدر استاذ کی اس دائمی مفارقت پر نہایت مغموم ہے۔ مجلس شوریٰ اس عظیم حادثہ کو حضرت مولانا مرحوم کا انفرادی یا صرف ان کے گھرانے کا صدمہ نہیں سمجھتی، بلکہ اسے علمی حلقوں اور خصوصاً دارالعلوم دیوبند کا زبردست اور ناقابل تلافی غم اور نقصان سمجھتی ہے۔

اس غم میں حضرت مولانا مرحوم کے گھرانے کے ساتھ مجلس شوریٰ اور پوری جماعت دارالعلوم شریک ہے۔ اور حضرت مولانا مرحوم کے پسماندگان سے اپنے دلی رنج، ہمدردی اور غم گساری کا اظہار کرتی ہے۔

حق تعالیٰ حضرت مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام بلند عطا فرمائے اور پسماندگان کے غم آگیں قلوب کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے۔

یہ تجویز مجلس شوریٰ کی جانب سے حضرت مولانا مرحوم کے پسماندگان خصوصاً قاری محمد نعمان صاحب کی خدمت میں ارسال کردی جائے۔

(مجلس شوریٰ ۲۰ رشوال ۱۳۸۷ھ)۔(۱)

(۱) روداد عمل دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۷ھ ص ۳۶

حضرت علامہ کا وصال ہندو پاک کی علمی دنیا کا سب سے بڑا حادثہ ہے

جامعہ رحمانی خانقاہ مونگیر میں جلسۂ تعزیت اور ایصالِ ثواب

مونگیر، ڈاک سے۔ حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی نور اللہ مرقدہٗ صدر المدرسین دارالعلوم کی وفات حسرت آیات پر خانقاہ رحمانی میں ۲۹ ؍دسمبر کو بعد نماز جمعہ تعزیتی جلسہ منعقد کیا گیا۔ جس میں امیر شریعت مولانا منت اللہ رحمانی، نائب امیر شریعت جناب مولانا شفیق عالم قاسمی، نائب ناظم جامعہ رحمانی، جامعہ کے موجودہ اساتذہ وطلباء اور بہت سے دوسرے حضرات نے شرکت کی۔

حضرت امیر شریعت مدظلہٗ نے اس اندوہناک حادثہ پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار فرمایا، اور حضرت علامہ نور اللہ مرقدہٗ کی حیات، دارالعلوم دیوبند سے ان کے تعلق اور غیر معمولی علمی ودینی خدمات پر روشنی ڈالی۔ حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب میرے استاذ تھے، انہوں نے کم وبیش پچاس سال تک دارالعلوم میں اونچی کتابوں کا درس دیا۔ اپنی نمایاں خصوصیتوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ ممتاز رہے، ان کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مروجہ علوم دینیہ پر ان کی بڑی گہری نظر تھی اور تمام متعلقہ فنون پر پوری گرفت تھی، وہ جامع الفنون تھے اور اس حیثیت سے وہ ہندو پاک کے تمام علماء میں سب سے ممتاز اور منفرد شخصیت کے مالک تھے، ان کا وصال ہندو پاک کی علمی دنیا کا سب سے بڑا حادثہ ہے۔

حضرت امیر شریعت نے فرمایا کہ موت برحق ہے اور ہر شخص کی باری ایک نہ ایک دن آنی ہے، ہمیشگی تو صرف خدا کی ذات کو ہے، مگر اپنی افادیت اور خصوصیت کی وجہ سے بعض شخصیتوں کی وفات دل پر گہرا اثر ڈالتی ہے، حضرت علامہؒ کی شخصیت بھی انہیں میں سے ایک تھی۔

آخر میں ایصالِ ثواب کیا گیا اور حضرت امیر شریعت مدظلہٗ کی دعاء پر

تعزیتی جلسہ ختم ہوا۔ (۱)

موت العالِم موت العالَم

مسلمانانِ محلّہ جات قاضی پورہ اسلام آباد، قصاب ٹولہ (شہر بلیا)

امام فروع واصول، جامع معقول ومنقول، نجم علوم دین، آفتابِ شرعِ متین، حامیٔ سنت، ماحیٔ شرک و بدعت، شیخ الشیوخ، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ الحاج مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ صدرالمدرسین جامعہ عربیہ دارالعلوم دیوبند کی وفات صدحسرت آیات پر مسلمانانِ محلّہ جات قاضی پورہ اسلام آباد، قصاب ٹولہ کا یہ سوگوار جلسہ اپنے بے انتہا قلبی رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور ان کی رحلت اور کبھی پُر نہ ہونے والے خلاء اور ناقابل تلافی نقصان پر ماتم کناں ہے۔ آج ارضِ بلیا کا ذرہ ذرہ اپنی ہی خاک سے پیدا ہونے والے اور عرصۂ دراز تک دنیا کے تاریک ترین گوشوں کو اپنی کرنوں سے منور کرنے والے اس شمس العلوم کی روپوشی پر سوگوار ہے اور تاریکی میں ڈوب گیا ہے۔ وہ شمس بازغہ جس کی تابناک کرنیں نہ صرف ارضِ ہند کے گوشے گوشے کو منور کئے ہوئے تھیں، بلکہ بیرونِ ہند نجد وحجاز مصر، عراق، شام، اردن، فلسطین، سوڈان، افریقہ، حبش، ترکی، ایران افغانستان، پاکستان، چین، روس، برما، انڈونیشیا، ملائشیا، جاوا، سماترا کے علم سے خالی اور تاریک قلوب کو بھی اپنے بے شمار شاگردانِ رشید کے ذریعہ مجلّی کررہی تھیں۔ اللہ کی ہزاروں ہزار رحمتیں نازل ہوں اس ہستی پر جو اپنی عمر کی آخری سانسوں تک علومِ دین کی ضوکو دنیا کے کونے کونے میں بکھیرتا رہا، اور اسی حال میں اسی جگہ اپنی جانِ عزیز کو جاں آفریں کے سپرد کردیا۔

اے اللہ! ہم سب کی درد وکرب میں ڈوبی ہوئی تجھ سے التجا ہے کہ اسلام کے اس اچھوتے اور نادر الوجود انسان کی بے پناہ خدماتِ دین کو قبول فرما اور اس کو شایانِ شان نعمتہائے عظیم سے نواز کر جنت الفردوس میں پہنچا

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۸ء

دے اور ان کے سبھی پسماندگان حضرات کو صبر جمیل عطا فرما اور ان کے صاحبزادہ کو صحیح معنوں میں ان کا جانشین بنا دے۔ آمین (۱)

شکریۂ تعزیت

از حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب کی شخصیت اپنے ذاتی علم وفضل اور دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس کی وجہ سے ہمہ گیر شخصیت تھی، اس لئے تعزیت ناموں اور مجالس تعزیت وایصالِ ثواب کا سلسلہ بھی ہمہ گیر طریقہ پر ہوا۔ مدارسِ دینیہ، انجمنوں اور عام اسلامی اداروں نے حضرتِ مرحوم کے وصال پر ہمہ گیر رنج وغم کا اظہار فرمایا، اس ہمہ گیر غم پر ہمہ گیر تعزیت وتسلی دہانی ہی خدامِ دارالعلوم دیوبند کے لئے وجہِ تسلی اور موجبِ طمانینت ہوسکتی تھی، جو ہوئی اور اہل علم وفضل، ذمہ دارانِ مدارسِ دینیہ اور سربراہانِ ادارت کے کلماتِ تعزیت تمام احاطۂ دارالعلوم اور اس کے کارکنوں کے لئے وجہِ تقویت وتسلی ثابت ہوئے، حق تعالیٰ ان تمام حضرات اہل علم وفضل واہل خیر کو اس تسلی دہانی پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

چونکہ تعزیت نامے اور تجاویز تعزیت بکثرت موصول ہوئیں اور ہو رہی ہیں، الگ الگ خطوط سے جواب دیا جانا مشکل تھا، اس لئے احقر ناکارہ اپنی طرف سے اور تمام خدام دارالعلوم، حضراتِ اساتذہ اور کارکنانِ دارالعلوم کی طرف سے بذریعہ اخبارات ان بزرگوں کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس شدید حادثہ اور شدید غم والم میں ہم خدام کو تسلی دی اور دارالعلوم کے ساتھ اپنی محبت وشیفتگی کا اظہار فرمایا جس کی بہر حال ان بزرگوں سے توقع تھی، فجزاہم اللہ عنا وعن جمیع المسلمین خیر الجزاء۔

محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۰؍شوال ۱۳۸۷ھ (۲)

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۸ء (۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء

علامہ بلیاوی کی برکت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا خراجِ عقیدت

وہ ابراہیم کی ملت کا طغریٰ ترے ہی سر پہ ہے آج اس کا سہرا
علیمے جامع معقول و منقول حلیمے جامع افراد ومقبول
بہ تفہیم مضامین مختصر گو بہ شفقت مستفیداں را دعاگو
یہ تھی علامہ بلیاوی کی برکت نمایاں رہتی تھی مسلک کی قوت (۱)

علم کا آخری سہارا چھن گیا

جناب علامہ انور صابری دیوبندی

قطعات تاریخ وفات حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ

نازشِ روحِ وصی اللہ و محمود الحسن درحقیقت صاحبِ سرمایۂ عرفان شیخ
دین ابراہیم را علامۂ عظمت مآب سوئے جنت رفت انور، شیخ من باجانِ شیخ
(۱۹۶۷ء)

دیگر

مرگِ عالم ہے موت عالم کی عبرت آگیں ہے یہ اشارہ بھی
دین سے ، ہائے چھن گیا بابا علم کا آخری سہارا بھی
(۱۳۱+۱۲۵۶=۱۳۸۷ھ)

انور صابریؔ (۲)

(۱) ارمغان اجلاس صد سالہ ص ۳۰ (۲) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۳۰ر دسمبر ۱۹۶۷ء)

کس قدر سونا پڑا ہے گلستاں تیرے بغیر

از جناب صادق صاحب بستوی

آہ! اے جانِ جہاں، بے جاں ہے جاں تیرے بغیر
آج ہر خُرد و کلاں ہے نوحہ خواں تیرے بغیر
آہ! اے مردِ مجاہد، آفتابِ علم و دیں
آج ہے تاریک تر سارا جہاں تیرے بغیر
آہ! اے علم وعمل کے بحر ناپیدا کنار
آہ! ہم سب رہ گئے آتش بجاں تیرے بغیر
آہ! گلشن کی بہارِ نو، تری ممنون تھی
کس قدر سونا پڑا ہے گلستاں تیرے بغیر
آہ! تیری یاد تھی سرمایۂ دارالعلوم
آہ! وہ رونق رہے گی، اب کہاں تیرے بغیر
خون میں ڈوبا ہوا ہے گلشن دارالعلوم
ہے بہارِ گلشن ونازِ جہاں تیرے بغیر
آہ اے نباضِ فطرت تجھ کو صادقؔ کیا لکھے
گنگ ہو کر رہ گئی اس کی زباں تیرے بغیر

(۱) ارمغان اجلاس صد سالہ ص ۳۰ (۲) روزنامہ الجمعیۃ دہلی ۳۰؍دسمبر ۱۹۶۷ء)

استاذِ زماں علامہ محمد ابراہیم صاحب

از حکیم سید نورالعین حسن راغبؔ چھتاروی
سابق لکچرر علم الادویہ اجمل خاں طبیہ کالج علی گڑھ

هو الغفور الوحيد ١٣٨٧ھ

فات ابراهيم العلام الجليل — قائد دارالعلوم الابجل
بُشِّر الراغب من الغيب معا — فاز بالفوز العظيم الاكمل
(١٣٨٧ھ)

حضرتِ علامہ استاذِ زماں — حسرت وافسوس زیر خاک خفت
درپئے فوتش براغب ہاتفے — شد مقیم خلد ابراہیم گفت
(۱۳۸۷ھ)

آہ !بحر العلوم ابراہیم — چوں زدنیائے فانیہ بگذشت
راغب زار گفت تاریخش — ہائے صدر المدرسین برفت
(۱۳۸۷ھ)

قطعۂ تاریخ بروفات حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحبؒ

از مولانا صادق بستوی

علم کے اک بحر ناپیدا کنار اک شیخ کل
خشک پودے بھی ہنر کے ہوگئے جس سے ہرے
کس قدر منحوس وہ ساعت تھی صادق جس میں آج
حیف شیخ العصر ابراہیم بلیاوی مرے (۱۹۶۷ء)

قطعۂ تاریخ بر وفات حسرت آیات حضرت علامہ مولانا محمد ابراہیم صاحبؒ

از انیس آغائی کامٹوی

ہاں علامہ جو تھے شاگردِ شیخ الہندؒ کے ہاں وہی اربابِ دل کو محو فرقت کر گئے
بے سر افسوس ہے تاریخ ہجری اے انیس حیف ہے مولانا ابراہیمؒ رحلت کر گئے

(۱۳۸۷ھ)

آپ کے دم سے ہمارا گلستاں شاداب تھا

از عابدہ نسرین دیوبندی

آہ اے علامہ صاحب، حاملِ رازِ خودی
زندگی رشک ملائک، بالیقیں تھی آپ کی
آپ کے دم سے ہمارا گلستاں شاداب تھا
آپ کا ہر لفظ علم وفضل کا اک باب تھا
آپ اک صوفی بھی تھے، عالم بھی تھے فاضل بھی تھے
بزمِ انجم و کہکشاں میں اک مہِ کامل بھی تھے
آپ کی شہرت رہینِ منت ِعالم نہ تھی
شہسوارانِ وطن سے پھر بھی عزت کم نہ تھی
آپ کے اٹھنے سے دنیا پر اداسی چھا گئی
آپ کے ہمراہ بزمِ زیست کو موت آ گئی

شمع کو آج اپنے پروانوں سے نفرت ہوگئی
محفلِ عشرت کی ہر اک چیز عبرت ہوگئی
اب نکاتِ علم آکر ہم کو سمجھائے گا کون
دین کی الجھی ہوئی گتھی کو سلجھائے گا کون
زہد اور اخلاص کی تعلیم پائیں گے کہاں
آپ کی محفل کے یہ پروانے جائیں گے کہاں
ہے پریشانی کہ دل کی بات اب کس سے کہیں
عصر نو میں آپ کی کتنی ضرورت تھی ہمیں
آپ کی ہستی کے سب طوفاں کنارے ہوگئے
سب کا جو پیارا ہے، آپ اس کے پیارے ہوگئے
دامن ضبط وتحمل پارہ پارہ کرلیا
آج ہم نے آپ کا غم بھی گوارہ کرلیا

☆

دارالعلوم دیوبند میں حضرت علامہ کا تدریسی ریکارڈ

یکم محرم الحرام ۱۳۳۱ھ کو حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاویؒ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز کیا۔ درمیان میں چندسال آپ دیگر مدارس میں تشریف لے گئے اور تقریباً پچاس سال دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے فرائض انجام دیئے، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

نقشہ تعلیمی سال مع اسمائے کتب

- ❖ ۱۳۳۱ھ: سلّم، ملاحسن، میر زاہد رسالہ، میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ
- ❖ ۱۳۳۲ھ : دفتر تعلیمات میں اس سال کا رجسٹر نہیں ہے۔
- ❖ ۱۳۳۳ھ: سلّم ، ملاحسن، صدرا، شمس بازغہ، شرح وقایہ اول ودوم، ملا جلال، حمد اللہ، شرح عقاید نسفی، شرح عقاید خیالی، امورِ عامہ
- ❖ ۱۳۳۴ھ: شرح عقاید نسفی وخیالی، امورِ عامہ، میبذی، شرح عقاید نسفی، صدرا شمس بازغہ، شرح عقاید اول ودوم، شرح اشارات، الٰہیات شفا
- ❖ ۱۳۳۵ھ: جلالین شریف، صدرا، شمس بازغہ، مطول، میبذی، نسفی، شرح عقاید نسفی مع خیالی، امورِ عامہ جماعت اول، ملا جلال، حمد اللہ، شرح عقاید جلالی، شرح مواقف، شرح اشارات
- ❖ ۱۳۳۶ھ: میبذی، شرح عقاید نسفی، شرح وقایہ اول ودوم، میر زاہد رسالہ مع غلام یحیٰ، حمد اللہ، شرح اشارات مع محکمات، شرح عقاید جلالی، امورِ عامہ، مطول قاضی مبارک، ملاحسن
- ❖ ۱۳۳۷ھ: قاضی مبارک، مسلم الثبوت، شرح اشارات، مشکوٰۃ شریف نخبۃ الفکر، میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ، شرح مطالع، کبریٰ
- ❖ ۱۳۳۸ھ اس سال کا رجسٹر ریکارڈ میں موجود نہیں ہے۔
- ❖ ۱۳۳۹ھ : امورِ عامہ، شرح عقاید، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، قاضی مبارک، ہدایہ آخرین، شمس بازغہ، میر زاہد ملا جلال، حمد اللہ، صدرا
- ❖ ۱۳۴۰ھ تا ۱۳۴۱ھ دارالعلوم سے چلے گئے۔
- ❖ ۱۳۴۲ھ : حمد اللہ، حسامی، شرح عقاید، توضیح تلویح، میبذی جماعت اول میر زاہد، امورِ عامہ، خیالی، سلم

❖ ۱۳۴۳ھ : ہدایہ آخرین، حمد اللہ، مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر، مسامرہ، قطبی تصدیقات، شرح اشارات

❖ ۱۳۴۴ھ: ہدایہ آخرین، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ

❖ ۱۳۴۵ھ: بیضاوی شریف جماعت دوم، قاضی مبارک، مشکوٰۃ شریف، نخبۃ الفکر

❖ ۱۳۴۶ھ: ملاحسن، رشیدیہ، ہدایہ آخرین، جلالین شریف، حمد اللہ، صدرا شمس بازغہ

❖ ۱۳۴۷ھ: ابوداؤد شریف، شرح عقاید نسفی، شرح عقاید خیالی، حمد اللہ، قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، جلالی، ایساغوجی، ابن ماجہ شریف، مرقات، شرح تہذیب

❖ ۱۳۴۸ھ: نسائی شریف، ہدایہ آخرین، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، مرقات تہذیب، قاضی مبارک جماعت اول، قاضی مبارک جماعت دوم

❖ ۱۳۴۹ھ: حمد اللہ، قاضی مبارک، امورِ عامہ، نسائی شریف، طحاوی شریف توضیح تلویح، مسلم الثبوت، جلالی، میر زاہد رسالہ، شرح اشارات، میبذی، شرح عقاید خیالی

❖ ۱۳۵۰ھ: مسلم شریف، حمد اللہ، قاضی مبارک، توضیح تلویح، مسلم الثبوت صدرا، شمس بازغہ، بیضاوی شریف ثلث ثالث، امورِ عامہ

❖ ۱۳۵۱ھ : قاضی مبارک، صدرا، شمس بازغہ، بیضاوی شریف ثلث ثالث ابن ماجہ شریف، طحاوی شریف، ہدایہ آخرین

❖ ۱۳۵۲ھ: مسلم شریف، بیضاوی شریف ثلث ثالث، حمد اللہ، قاضی مبارک توضیح تلویح، مسلم الثبوت، امورِ عامہ، شرح عقاید جلالی

❖ ۱۳۵۳ھ: طحاوی شریف، ابن ماجہ شریف، بیضاوی ثلث ثالث، حمد اللہ قاضی مبارک، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، شرح اشارات، خیالی

❖ ۱۳۵۴ھ: مسلم شریف، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، قاضی مبارک، بیضاوی ثلث ثالث، بیضاوی سورہ بقرہ، شرح عقاید خیالی

❖ ۱۳۵۵ھ: مسلم شریف، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، قاضی مبارک، شرح عقاید جلالی، بیضاوی سورہ بقرہ، شرح عقاید خیالی

❖ ۱۳۵۶ھ: مسلم شریف، توضیح تلویح، مسلم الثبوت، قاضی مبارک جماعت اول، قاضی مبارک جماعت دوم، بیضاوی سورہ بقرہ، حمد اللہ

❖ ۱۳۵۷ھ: مسلم شریف، قاضی مبارک، شرح عقاید نسفی، بیضاوی سورہ بقرہ، خیالی، شرح عقاید جلالی، امورِ عامہ

❖ ۱۳۵۸ھ: مسلم شریف، مسلم الثبوت، قاضی مبارک، شمس بازغہ، بیضاوی سورہ بقرہ، شرح عقاید جلالی، امورِ عامہ

❖ ۱۳۵۹ھ: مسلم شریف، مسلم الثبوت، قاضی مبارک، شرح عقاید جلالی امورِ عامہ، شرح عقاید خیالی

❖ ۱۳۶۰ھ: مسلم شریف، شرح مواقف، قاضی مبارک، خیالی، امورِ عامہ

❖ ۱۳۶۱ھ: دفتر تعلیمات میں لکھا ہے کہ امسال علامہ یہاں نہ رہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ علامہ ۱۳۶۲ھ میں دار العلوم سے علیحدہ ہوئے۔

❖ ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۶۵ھ دار العلوم میں نہیں رہے۔

❖ ۱۳۶۶ھ: مسلم شریف، شرح مواقف، ہدایہ آخرین، حمد اللہ، امورِ عامہ

❖ ۱۳۶۷ھ: مسلم شریف، طحاوی شریف، قاضی مبارک، ہدایہ آخرین، امورِ عامہ

❖ ۱۳۶۸ھ: مسلم شریف، شرح اشارات، قاضی مبارک، صدرا، امورِ عامہ شمس بازغہ، موطا امام مالک، موطا امام محمد، جلالی،

❖ ۱۳۶۹ھ: مسلم شریف، قاضی مبارک، صدرا، حمد اللہ، امورِ عامہ، بیضاوی سورہ بقرہ

❖ ۱۳۷۰ھ: مسلم شریف، قاضی مبارک، امورِ عامہ

❖ ۱۳۷۱ھ: مسلم شریف، شرح اشارات، قاضی مبارک، امورِ عامہ، میر زاہد رسالہ، شرح عقاید جلالی

❖ ۱۳۷۲ھ: مسلم شریف، قاضی مبارک، امورِ عامہ، شمس بازغہ، طحاوی شریف، بیضاوی ثلث ثانی، خیالی

❖ ۱۳۷۳ھ: مسلم شریف، حمد اللہ، قاضی مبارک، خیالی، امورِ عامہ

❖ ۱۳۷۴ھ: مسلم شریف، قاضی مبارک، امورِ عامہ، حمد اللہ، خیالی

❖ ۱۳۷۵ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف، قاضی مبارک، امورِ عامہ، شرح عقاید خیالی

❖ ۱۳۷۶ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف، قاضی مبارک

❖ ۱۳۷۷ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف، قاضی مبارک، خیالی

❖ ۱۳۷۸ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۷۹ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۰ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۱ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۲ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۳ھ: ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۴ھ: ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۵ھ ریکارڈ میں کچھ ذکر نہیں ہے۔

❖ ۱۳۸۶ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ ۱۳۸۷ھ: مسلم شریف، ترمذی شریف

❖ یہ تمام ریکارڈ رجسٹر تقسیم اسباق دفتر تعلیمات دارالعلوم دیوبند سے ماخوذ ہیں۔

بابِ چہارم

فضائل وکمالات اور اقوال وارشادات

کسی بھی شخصیت کی زندگی کا اصل باب وہی ہے جس سے اس کے اوصاف وکمالات، مزاج و مذاق، عادات واطوار، ذوق ودلچسپی، مسلک ومشرب، احوال و اعمال، ظاہر وباطن، حاصل عمر، خیالات ورجحانات، محنت وجدو جہد، معاصرین میں اس کا مقام اور حیات وخدمات کا ذکر کیا جائے۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ کسی شخصیت کا اس طرح کا جائزہ وہی شخص لے سکتا ہے جو اس کے اتنا قریب رہا ہو کہ اس کے مزاج ومعاملات میں دخیل بن گیا ہو۔ وہ اس شخصیت کی ہر ادا کو نظر میں رکھنے، اس سے نتیجہ انگیزی اور اس شخصیت کے مقام ومرتبہ کے مطابق اس کو مفید مطلب بنانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔

حضرت علامہ کے خصوصی شاگرد اور خادمین ہی اس کے اہل ہیں کہ وہ حضرت علامہ کی زندگی کے تمام گوشوں پر کما حقہ روشنی ڈال سکیں۔ احقر کسی بھی اعتبار سے اس ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ مجھے حضرت علامہ کی حیات وخدمات کے متعلق جو آراء وخیالات اور اہل علم حضرات کی معلومات ومحسوسات کتب ورسائل میں مرقوم ملے انھیں کو مرتب کرنے اور ان کی بنیاد پر اپنی فہم کے مطابق اخذِ نتیجہ کی یہ حقیر کوشش ہے۔ میں اگر بہتر طور پر اس کوشش میں کامیاب نہ بھی ہوسکا تو بھی ان جواہر پاروں کی قیمت واہمیت حسنِ ترتیب کی کمی وخامی کے سبب کم نہیں ہوسکتی۔

بہت سے اہل قلم حضرات نے حضرت علامہ بلیاویؒ کی قلمی تصاویر پیش کی ہیں جو آپ کی عمر کے آخر حصے اور اس دور کی ہیں جب کہ آپ کے علم وکمال کا آفتاب نصف النہار پر اور قافلۂ عمر اپنی منزل کے قریب تھا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تذکرہ کا آغاز اسی خاکے اور قلمی تصویر سے کیا جائے تا کہ آپ کے فضائل وکمالات

اور خیالات ورجحانات کے ساتھ ساتھ آپ کے ''پیکر مجسم'' کا مثالی عکس بھی آنکھوں میں سما جائے۔

تعارفِ شخصیت

دورِ حاضر کے مشہور عالم دین محدثِ شہیر حضرت مولانا محمد انظر شاہ کشمیری مدظلہ العالی ارقام فرماتے ہیں:

''طویل القامت سروقد، گھنی داڑھی، لانبا کرتا، سر پر دستار، گلے میں پوربی انداز کا رومال، ہاتھ میں چھڑی جواُن کی طویل القامتی پر خوب زیب دیتی، آگے اور پیچھے طلباء اور اساتذہ کا غول، چلتے چلتے سڑک پر رک جانا اور بات کرنا، پھر قدم اٹھانا اور پھر ہرنی کی طرح نظر ڈالنا ان کی عادت تھی، جوانی میں ورزش اور اخیر عمر تک شام کی تفریح وہوا خوری کے عادی رہے، عفوو صفح تحمل و وقار طبیعت کی خاص افتاد تھی۔ غیض وغضب بلکہ غصہ سے ناواقف تھے۔''(۱)

ایک اور اہل قلم مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی آپ کے پیکر مجسم کو الفاظ کا جامہ اس طور پر پہناتے ہیں:

''لمبا قد، بھاری بھرکم جثہ، گندمی رنگ، کشادہ پیشانی پر منطقیانہ وفلسفیانہ موشگافیوں کے نقوش، گنجان داڑھی، تراشی ہوئی مونچھیں، بڑی بڑی روشن ومتفکر آنکھیں، جسم پر کھدر کا لمبا کرتہ، کرتے پر واسکٹ، کھدر کا مغلئی پاجامہ، گرمیوں میں دوپلی ٹوپی، سردیوں میں سفید عمامہ، گردن میں حیدرآبادی رومال لپٹا ہوا، نازک طبع، شاہانہ مزاج، فلسفیانہ دماغ، ذہانت وذکاوت میں یگانہ، متانت وسنجیدگی میں منفرد..............

آپ ہیں! علامہ محمد ابراہیم بلیاوی۔''(۲)

(۱) ماہ نامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۷ (۲) دنیائے اسلام کی عظیم شخصیتیں ص ۵۳

علامہ بلیاوی اور علوم عقلیہ

حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی جامع العلوم تھے مگر آپ کی شہرتِ عام ایک ماہر عقلیات عالم کی حیثیت سے زیادہ ہے، اس کی کئی وجوہات معلوم ہوتی ہیں۔ اول یہ کہ آپ نے مولانا محمد فاروق صاحب چڑیا کوٹی سے معقولات کی زیادہ تر کتابیں پڑھیں جو معقولات کے امام مانے جاتے تھے۔ دوسرے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ امتحان کے وقت کی آپ کے متعلق یہ روایت کہ معقولاتی رنگ کے غلبہ کی وجہ سے حضرت شیخ الہندؒ نے ایک سال مزید علوم نقلیہ میں صرف کرنے کا حکم فرمایا، ان سب پر مستزاد یہ کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی تدریسی دور میں ایک طویل عرصہ تک معقولات کی انتہائی کتابیں آپ کے زیر درس رہیں۔ پھر آپ چونکہ فلسفیانہ دماغ رکھتے تھے اور اپنے علمی تبحر کے سبب زبردست قوتِ استدلال کے مالک تھے اس لئے بہت سے مواقع پر علمی بحثوں میں منطق و فلسفہ کی کلیات اور عقلی طرزِ استدلال کے سبب آپ کی یہ حیثیت ذریعۂ شناخت بن گئی، ورنہ حضرت علامہ تمام علوم اور خصوصاً تفسیر و حدیث میں مکمل دستگاہ و کمال رکھتے تھے، اور برسوں حدیث کی اعلیٰ کتابوں کا آپ نے کامیابی کے ساتھ درس دیا ہے، چنانچہ دارالعلوم دیوبند میں آپ کے تدریسی ریکارڈ پر نظر ڈالی جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ علوم عقلیہ سے زیادہ علوم نقلیہ کی مدت و مقدار زیادہ ہے۔

۱۳۳۱ھ میں آپ نے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا آغاز فرمایا اور ۱۳۳۵ھ میں پہلی بار آپ کو مشکوٰۃ شریف دی گئی، اس کے بعد تقریباً ہر سال حدیث و فقہ کی کوئی نہ کوئی اعلیٰ کتاب برائے تدریس آپ کے پاس رہی۔ ۱۳۵۰ھ میں آپ کے پاس مسلم شریف آئی جس کا شاہکار درس ضرب المثل تھا۔ مسلم شریف آپ کو دیئے جانے سے قبل ہدایہ اولین و آخرین، مشکوٰۃ شریف، بیضاوی شریف، جلالین شریف، ابوداؤد شریف، ابن ماجہ شریف، نسائی شریف، طحاوی شریف اور مسلم الثبوت جیسی بلند پایہ

حدیث وفقہ کی کتابیں مختلف سالوں میں آپ کے زیر درس رہیں۔ مسلم شریف قریب پینتیس سال تک آپ کے زیر درس رہی۔ ۱۳۷۵ھ میں ترمذی شریف آپ کے سپرد کی گئی جو تادمِ آخر آپ کے زیر درس رہی۔ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف کے علاوہ باقی تمام داخل درس کتبِ حدیث پڑھانے کا آپ کو موقع ملا۔ ایسے میں یہ سمجھنا کہ علامہ بلیاوی صرف علوم عقلیہ کے ماہر عالم تھے، خلافِ حقیقت ہے۔ آگے چل کر ہم آپ کے درسِ حدیث کے چند گرانقدر علمی جواہر پارے نذرِ قارئین کریں گے۔

حضرت علامہ کو بھی اس کا احساس تھا کہ لوگ مجھے عام طور پر ایک معقولی عالم سمجھتے ہیں، چنانچہ آپ نے اس سلسلے میں بعض مرتبہ اظہار بھی فرمایا، اسی قبیل کا آپ کا ایک ملفوظ نقل کرنے کے بعد ہم مختصر طور پر علوم عقلیہ کی اہمیت و افادیت پر چند اقتباسات نقل کرنا چاہتے ہیں۔

لوگ مجھے محض معقولی سمجھتے ہیں

ایک سوال کے جواب میں فرمایا:

> ''مولوی صاحب! جو لوگ مجھے محض معقولی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں، میں احادیث اور اسلامی مسائل کو معقولات کی روشنی میں بیان کرتا ہوں۔ بھلا خیال تو کرو محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائیں پہلو پر لیٹتے تھے) پر لکھا ہے کہ بائیں پہلو پر لیٹنے کی وجہ سے دل دب جاتا ہے اور اس سے غفلت پیدا ہوجاتی ہے۔ مولوی صاحب! کوئی عقل کی بات بھی ہے، دل کے درمیان میں مضبوط پسلیوں کی دیوار حائل ہے۔ میرے نزدیک اس کی وجہ یہ ہے کہ ''جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر فعل میں تیامن (دائیں جانب سے ابتداء کرنے) کو پسند فرماتے تھے، حتیٰ کہ جوتہ پہننے اور کنگھا کرنے میں بھی۔ (۱)

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے علامہ کی حیات کے اس

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

پہلو پر بہتر الفاظ میں روشنی ڈالی ہے، تحریر فرماتے ہیں:

''ابتدا میں معقولات کا رنگ غالب تھا، بعد میں ان معقولات کی محسوس حقائق جب اکابر کی کتب سے سامنے آئیں تو رنگ بدل گیا، اور آخر میں ان سب سے بالاتر ہوکر قرآن وحدیث کے درس میں انہماک بڑھ گیا، لیکن وہ معقولی اور پھر عرفانی رنگِ معقولات بھی قائم رہا جس نے فلسفہ کے بجائے حکمت کا رنگ اختیار کرلیا۔'' (۱)

علوم عقلیہ کے متعلق مولانا عبیداللہ سندھی کا مشورہ

حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے لکھا ہے:

''علماء کو چاہئے کہ عقلیات کے حصہ کو بھی اسی طرح ذوق وشوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں، اس کے بغیر وہ حجۃ اللہ البالغہ جیسی کتابوں کے سمجھنے سے عاری رہیں گے، اور اگر ایسا ہوا تو انھیں بہکانے والے آسانی سے بہکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔'' (۲)

مولانا عبدالحمید سواتی مدظلہم العالی نے بالکل درست لکھا ہے:

''دین کی اعانت کے لئے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر وثواب ہوگا جس طرح نقلیات کا، بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا معقولات حاصل کئے بغیر بہت دشوار ہوتا ہے، اسی لئے عقلیات دیوبندی نظامِ تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔'' (۳)

مولانا موصوف ہی نے یہ حقیقت بھی واشگاف طور پر بیان کردی ہے:

''حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کرسکتا ہے اور ان سے مستفید ہوسکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔'' (۴)

(۱) علامہ کی یاد، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء (۲) مقدمہ اجوبۂ اربعین از مولانا عبدالحمید سواتی گوجرانوالہ
(۳) مقدمہ اجوبۂ اربعین از مولانا عبدالحمید سواتی گوجرانوالہ (۴) ایضاً

مولانا سواتی کی تائید مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے:

''جن حضرات نے حضرت نانوتویؒ کی تصنیفات اور مکاتیب کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ آپ کی اکثر تحریریں اردو زبان میں ہونے کے باوجود مضامین کے لحاظ سے اتنی مشکل اور اَدق ہیں کہ آج کل کے ہمارے اصحابِ درس علماء میں بھی شاذ و نادر ہی ایسے نکلیں گے جو ان کو پوری طرح سمجھ سکیں.............. میں خود اپنا تجربہ عرض کرتا ہوں کہ ان (یعنی جو منطق وفلسفہ اور علم کلام کی مشکل کتابیں مدارس میں داخل درس تھیں) میں سے کسی کتاب کے سمجھنے میں مجھے اتنی مشکل پیش نہیں آئی جتنی کہ ''آبِ حیات'' کے سمجھنے میں پیش آئی تھی۔ میں نے آبِ حیات کا مطالعہ پہلی دفعہ اپنی عرفی طالب علمی کے آخری دور میں اس وقت کیا تھا جبکہ منطق وفلسفہ اور کلام کی سب درسی کتابیں میں پڑھ چکا تھا، اور ان فنون کے وہ مباحث مجھے خوب مستحضر تھے جن کے استحضار کے بغیر ''آبِ حیات'' کو نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ لیکن مجھے خوب یاد ہے کہ اس وقت بھی میرا احساس یہی تھا کہ میں نے ساری عمر میں جو کتابیں دیکھی یا پڑھی ہیں اُن میں سب سے زیادہ مشکل اور صعب الفہم یہی کتاب ہے۔ اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں ہے کہ ہمارے حلقہ کے علماء میں بھی ''آبِ حیات'' (یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی ایک تصنیف ہے) کو سمجھنے والے ہندوپاک کے طول وعرض میں اب گنتی کے چند ہی ہوں گے۔ اور بغیر کسی تکلف اور انکساری کے عرض کرتا ہوں کہ اب میں بھی ان میں سے نہیں ہوں، کیونکہ اس کے سمجھنے کے لئے منطق وفلسفہ اور کلام کے جو مباحث مستحضر ہونے چاہئیں وہ اب مجھے مستحضر نہیں رہے ہیں۔''(۱)

حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کے تعلق سے یہ روایت بھی مشہور ہے کہ

(۱) مسئلہ حیات النبی کی حقیقت ص ۱۶-۱۸ منتخباً

جب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا وصال ہوگیا تو حضرت شیخ الہندؒ نے منطق وفلسفہ کی کتابیں پڑھانا چھوڑ دیں حالانکہ پہلے پڑھایا کرتے تھے، جب بہت اصرار کیا گیا تو آپ نے فرمایا:

''ان کتابوں کو ہم صرف اس لئے پڑھایا کرتے تھے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی باتیں سمجھنے میں ان سے مدد ملتی تھی، اب جب وہی نہیں رہے تو ہم کیوں خواہ مخواہ ان کتابوں پر مغز ماریں۔''(۱)

حضرت مولانا عبدالحمید سواتی صاحب نے حضرت شیخ الہندؒ کا یہ مقولہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے کہ حضرت شیخ الہندؒ نے فرمایا:

''جب تک حضرت نانوتویؒ ہم میں موجود تھے ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تا کہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں، ان کی وفات کے بعد اس سے دل سرد ہوگیا۔''(۲)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو حکمتِ قاسمیہ اور حکمتِ ولی اللّٰہی سے استفادہ کرنا اور ان کی روح کو سمجھنا ہو اسے چاہئے کہ وہ عقلیات کو بھی نہایت انہماک اور توجہ سے حاصل کرے، اس کے بغیر یہ ممکن نہیں کہ وہ حضرت نانوتوی کی تصنیفات اور حکمت ولی اللّٰہی سے فیض یاب ہو سکے، اور یہ بڑی محرومی وکم نصیبی کی بات ہوگی کہ مسلک دیوبند کا محافظ ومبلغ اپنے اصل سرچشمہ سے بے خبر رہے۔

دورِ حاضر کے مشہور محدث اور صاحبِ بصیرت عالم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری استاذِ حدیث دارالعلوم دیوبند، منطق و فلسفہ (عقلیات) کی ضرورت واہمیت پر کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''لوگ ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ سائنس کے اس دور میں قدیم فلسفہ کیوں پڑھایا جاتا ہے؟ فلسفۂ یونان کا تو اب صرف نام رہ گیا ہے، اس میں وقت ضائع کرنے سے کیا فائدہ؟ اس کی جگہ عصر حاضر میں مفید اور

(۱) مسئلہ حیات النبی کی حقیقت ص ۱۸ حاشیہ (۲) مقدمہ اجوبۂ اربعین ص ۲۵

ضروری علوم کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟ مدارسِ اسلامیہ کے ذمہ داران پرانی لکیر ہی کیوں پیٹے جارہے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ فلسفۂ قدیم کی تعلیم چار وجوہ سے دی جاتی ہے۔ آپ ان کو غور سے ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ یہ وجوہ صحیح ہیں یا نہیں؟ اگر صحیح ہیں، اور یقیناً صحیح ہیں تو پھر پوری محنت اور توجہ سے یہ فن پڑھیں۔

پہلی وجہ: علوم دینیہ کے ہر طالب علم کیلئے ضروری ہے کہ وہ معارضِ اسلام نظریات سے باخبر رہے، خواہ وہ نظریات قدیم ہوں یا جدید، کیوں کہ نظریات ایک بار پیدا ہوکر ختم نہیں ہوجاتے، ان کی شکلیں بدل جاتی ہیں مگر بنیادی خیالات اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں۔ فلاسفۂ یونان کے خیالات بھی ختم نہیں ہوگئے، آج بھی وہ کسی نہ کسی شکل میں موجود ہیں۔ عالم کے حدوث وقدم کا مسئلہ، اسی طرح تناسخ ارواح یعنی آواگون کا نظریہ، خواہ حکمائے یونان کا ہو یا حکمائے ہند کا، آج بھی موجود ہے، پچاس کروڑ انسان اسی عقیدے پر مرتے اور جیتے ہیں۔ اس لئے اگر دینیات کا طالب علم ان باطل نظریات سے واقف نہ ہوگا تو اسے دعوت کا کام کرنے میں دشواری پیش آئے گی، کیونکہ داعی کیلئے ضروری ہے کہ وہ مدعو قوم کے نظریات وخیالات سے پوری طرح باخبر ہو، ورنہ وہ مؤثر انداز میں دعوت پیش نہیں کرسکے گا۔

دوسری وجہ: فلسفۂ یونان اور تعلیماتِ اسلام میں قدیم زمانہ سے سخت مقابلہ آرائی چلی آرہی ہے، جس کی علم کلام کی کتابوں میں گونج سنائی دیتی ہے، بلکہ کتب کلامیہ فلسفیانہ ابحاث سے بھری پڑی ہیں، متکلمین اسلام نے حکمت وفلسفہ کے بہت سے مسائل میں فلاسفہ کی رایوں کے خلاف رائیں بھی قائم کی ہیں، اس لئے علم کلام کے ہر طالب علم کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے ان آراء سے واقفیت حاصل کرے تاکہ وہ علم کلام کو علیٰ وجہ البصیرت پڑھ سکے۔

تیسری وجہ: فلسفۂ یونان کی علات سے قطع نظر کر کے اس میں بہت سی مفید باتیں بھی ہیں۔اس میں انسان کے تمام احوال سے بحث کی گئی ہے، اس کی ابحاث تمام کائناتی مسائل کا احاطہ کرتی ہیں۔اس میں طبعیات، عنصریات، الٰہیات، معاش و معاد کے مسائل، اعمالِ حسنہ اور سیئہ اور اخلاقِ فاضلہ اور فاسدہ سبھی سے بحث کی گئی ہے۔اس میں جہاں بعض باتیں قابل ترک ہیں وہیں بہت سی باتیں قابل اخذ بھی ہیں،اور حدیث شریف میں ہے کہ دانشمندی کی بات مؤمن کا گمشدہ جانور ہے، جہاں بھی ملے وہ اس کا زیادہ حقدار ہے۔ (ترمذی شریف ج ۲،ص ۹۳)

غرض یہ تصور صحیح نہیں ہے کہ فلسفہ بیکار چیز ہے،اس میں الٰہیات کا استثنا کر کے کار آمد باتیں بھی ہیں،اور شیخ سعدی رحمہ اللہ کی نصیحت ہے کہ آدمی کو کار آمد بات جہاں بھی ملے لے لینی چاہئے اگرچہ وہ دیوار پر لکھی ہوئی ملے۔

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ورنبشت ست پند بر دیوار

چوتھی وجہ: اور خاص طور پر میبذی شرح ہدایت الحکمت پڑھانے کا مقصد یہ ہے کہ طالب علم کو یہ سکھایا جائے کہ کسی بھی باطل نظریہ کو کس طرح رد کیا جاتا ہے۔علامہ حسین بن معین الدین میبذی رحمہ اللہ فلاسفہ کے دلائل کو تار تار کر دیتے ہیں اور جہاں موقع پاتے ہیں حملہ کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔(۱)

عقلیات کے ضمن میں حکمت قاسمیہ کا ذکر آ گیا ایسے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے علوم و معارف کی ایک جھلک اور حضرت علامہ بلیاوی کی حکمت قاسمیہ پر گہری نظر اور اس میں مہارت وبصیرت کا کچھ تذکرہ ہو جائے۔حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں:

”آج دارالعلوم کے قدیم اساتذہ میں استاذ الاساتذہ حضرت علامہ مولانا

---

(۱) معین الفلسفہ ص ۷......۱۱ ملخصاً

محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مدظلہ العالی اس حکمت کے امین ہیں، جو حکمتِ قاسمیہ پر کافی نظر رکھتے ہیں اور درسِ حدیث میں موقعہ بموقعہ ان علوم کو طلبہ کے ذہنوں تک پہنچاتے رہتے ہیں، جس سے دارالعلوم کے علمی حلقہ میں ایک حد تک یہ ذوق موجود ہے۔(۱)

آپ ہی کا بیان ہے:

''حضرتِ مرحوم کی نظر حکمتِ قاسمیہ پر بہت گہری تھی اور اکثر درس اور مجالس میں ان علوم پر تقریریں فرماتے تھے جن سے سامعین میں شرحِ صدر کی کیفیات پیدا ہوجاتی تھیں۔''(۲)

جناب مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر کا بیان ہے:

''مولانا مرحوم حدیث وتفسیر اور دوسرے علمی موضوعات کے متبحر عالم ہوتے ہوئے ساتھ ساتھ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علم کلام اور خاص فلسفۂ فکر کے حامل تھے، حضرت نانوتویؒ کے علوم کے لئے آپ کا وجود ایک زبان اور ایک قلم کا کام دیتا تھا۔ افسوس ہے کہ چند ایسے بزرگ جو حضرت نانوتویؒ کے علوم کو سمجھتے تھے ہم سے پہلے جدا ہوگئے تھے، اب آخری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کی تھی جس کے علم اور روحانی فیضان سے بھی ہم محروم ہوگئے۔(۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علامہ بلیاوی کو حضرت نانوتویؒ کے علوم میں خاص ملکہ تھا۔ اس سلسلہ کا یہ تاریخی واقعہ بھی قابل ذکر ہے:

''غالبًا ۵۸-۱۹۵۷ء کی بات ہے کہ خود علمائے دیوبند ہی کی جماعت میں پاکستان کے اندر اسی کتاب 'آبِ حیات' کے مضمون ومستدل اور مقصد و ماحصل کی تفہیم میں نہایت شدید اختلاف ہوگیا تھا۔ مولانا محمد منظور صاحب

---

(۱) حکمت قاسمیہ ص۳۲،۳۳ (۲) علامہ کی یاد، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص۳۰

(۳) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۸ء

نعمانی نے اس کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ اپنے کتابچہ ''مسئلہ حیات النبی کی حقیقت'' میں ذکر کیا ہے، چونکہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے اپنی شاہکار کتاب ''آبِ حیات'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور حیات بعد الممات کی خاص نوعیت کی تحقیق وتعیین اپنے خاص انداز پر فرمائی اور اس سلسلہ میں نہایت دقیق وعمیق علمی بحث سپرد قلم فرمائی ہے، اور یہ تحقیق اتنی دقیق ہے کہ عوام تو کیا بہت سے علماء کی فہم سے بھی بالاتر ہے، اور پھر جس کتاب کو حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا نانوتویؒ سے سبقًا سبقًا پڑھا ہو اور مولانا محمد طیب صاحب، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا حسین احمد مدنی جیسے اساطین علم کو اپنے تدریسی دور میں بھی سبقًا سبقًا پڑھنے کی حاجت ہو، اور مولانا حبیب الرحمن عثمانی جیسے بحر العلوم بلا مطالعہ سبق پڑھانے کی جرأت سے محروم ہوں، اگر آج کے اہل علم اس کی دقیق علمی تحقیقات و مباحث کے سمجھنے میں خطا کر جائیں تو کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔

مولانا محمد منظور نعمانی کا بیان ہے کہ پاکستانی اہل علم کے اختلاف کو ختم کرنے اور آبِ حیات کی علمی تحقیق کے ماحصل کو واضح کرنے کیلئے میں نے یہ مقالہ ''مسئلہ حیات النبی کی حقیقت'' لکھا اور یہ تحریر مکمل کر لینے کے بعد میں دیو بند بھی حاضر ہوا، اور وہاں استاذی حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی صدر المدرسین دار العلوم دیو بند کو بھی میں نے یہ تحریر سنائی۔ حضرتِ ممدوح نے آبِ حیات کے مضمون پر بڑی بصیرت افروز روشنی ڈالی جو بلا شبہ آپ ہی کا حق ہے۔

افسوس کہ مولانا نعمانی نے علامہ کی وہ تقریر اپنے سینہ ہی میں محفوظ رکھ لی اور تحریر وکتابت کی قید سے یہ کہہ کر آزاد رکھا کہ وہ صرف خواص اہل علم کے سننے کی بات ہے اس لئے میں اس کو تحریر کا جز نہیں بنانا چاہتا، تاہم یہ چند جملے تحریر کر کے مولانا نے علامہ بلیاوی کے علمی تبحر اور علوم نانوتوی پر گہری

نظر کی جھلک ضرور دکھائی کہ علامہ بلیاوی نے یہ بھی فرمایا:

''آبِ حیات'' والی تحقیق ایک نہایت دقیق اور عمیق علم ہے۔ آبِ حیات کے مضمون کو جو شخص ٹھیک ٹھیک سمجھ لے گا وہ اس کے نصوصِ قرآن وحدیث یا اجماعِ امت کے خلاف ہونے کا شبہ بھی نہیں کرے گا، یہ شبہ اسی کو ہوگا جو اس کا مطلب صحیح نہ سمجھ سکے گا۔ اور جو شخص اس کا ایسا مطلب بیان کرے جو نصوص اور اجماع کے خلاف ہو تو سمجھنا چاہئے کہ اس نے اس کا مطلب صحیح نہیں سمجھا۔'' (۱)

حضرت نانوتویؒ کے علوم وافکار سے قربت ومناسبت کے سبب ہی حضرت علامہ بلیاوی کو اس کمیٹی کا رکن بنایا گیا جو سوانح قاسمی (مؤلفہ مولانا سید مناظر احسن گیلانی) کے مسودہ کی خواندگی کیلئے بنائی گئی تھی، اور یہ خواندگی باجازت مؤلف نظر ثانی کے طور پر کی گئی اور حسب ضرورت اس پر کام کیا گیا۔ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ رقم طراز ہیں:

''سوانح کا مسودہ موصول ہونے پر ضرورت سمجھی گئی کہ ایک بار اس کی خواندگی کر لی جائے تاکہ کتابت وغیرہ کے سلسلے میں کوئی فروگذاشت ہوئی ہو تو اسے درست کر دیا جائے۔ چونکہ کتاب اہم تھی اس لئے بجائے کسی ایک شخص کو یہ کام سپرد کرنے کے ایک کمیٹی کے سپرد کیا جس کے تین ارکان تجویز ہوئے، حضرت الاستاذ العلامہ مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی استاذ دارالعلوم دیوبند دامت برکاتہم، مولانا اشتیاق احمد صاحب صدر شعبہ کتابت دارالعلوم دیوبند، احقر راقم الحروف محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند۔ ہم تینوں نے مقررہ وقت پر جمع ہو کر مسودہ کی خواندگی کی اور باجازت مؤلف دام مجدہٗ (خواندگی) نظر ثانی کے طور پر کی۔'' (۲)

---

(۱) نقوش علمائے دیوبند ص ۶۵، ۶۶ بحوالہ مسئلہ حیات النبی کی حقیقت (۲) سوانح قاسمی جلد اول ص ۲۰

درسی خصوصیات

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سے قلم سے نکلی ہوئیں یہ سطور غالباً پہلے گذر چکی ہیں:

''حضرتِ ممدوح اپنے آغازِ تدریس ہی سے اساطینِ درس کی فہرست میں شمار ہوتے تھے، چنانچہ ابتدا ہی سے ہر فن کی اونچی کتابیں آپ کے سپرد ہوتی رہیں، جنھیں انھوں نے آغازِ کار ہی سے اعلیٰ سطح پر پڑھایا۔''(۱)

ہم اس سلسلے میں مختلف اہلِ علم کے دستیاب تحریری اقتباسات کو مختصر طور پر پیش کرتے ہیں تا کہ آنے والی نسلوں کے لئے اور اصحابِ درس حضرات کے لئے سببِ استفادہ ہوں۔

''اخذِ مضامین کی نوعیت یہ تھی کہ درسیات میں دقیق سے دقیق کتاب کی عبارت اگر طالب علم نے دو صفحے بھی ایک دم پڑھ دیئے تو اسے روکتے نہ تھے۔ بلکہ ان پورے صفحات کی ایک بلیغ اور جامع تقریر چند منٹ میں فرما کر پھر کتاب پر اُسے منطبق فرماتے تھے۔''(۲)

''حدیث میں روایت سے زیادہ درایت سے کام لیتے، معقولات اور منطقی استدلال میں پوری مہارت کی وجہ سے حدیث کے مغز اور اس کے اصل مقصد پر نظر رہتی، دورانِ مطالعہ یابس کو چھوڑتے جاتے اور رطب پر ہاتھ پڑتا۔ درس گاہ میں بیٹھتے تو طلباء کے دامن میں موتی ڈالتے اور حذف ریزوں سے سبق کو صاف بچالے جاتے۔ عادت یہ تھی کہ مطالعہ کے بعد تھوڑی دیر چہل قدمی کرتے، گویا تقریر درس ذہنی طور پر ترتیب پاتی۔ سبق کا انداز نہایت باوقار رہتا، تمکنت کے ساتھ مسند درس پر جم جاتے اور'' مولوی صاحب'' کے بھاری بھرکم لفظ سے سبق شروع ہوتا، خطابیہ جملہ'' تو

(۱) علامہ کی یاد، ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰ (۲) ایضاً

مولوی صاحب'' ثقل لہجہ کے ساتھ نکل کر طلباء کو چونکا دینے کا کام کرتا۔''
(۱)

''صوات کے ایک مستعد اور فاضل طالب علم جن کو صرف ونحو اور منطق وفلسفہ کے مضامین نوک برزبان تھے۔ ایک مرتبہ انھیں سے سنا ہوا علامہ مرحوم کے متعلق یہ تبصرہ ناقابل فراموش ہے کہ'' یہ پڑھا ہوا نہیں لیکن جب پڑھاتا ہے تو خوب مزہ دینا کرتا ہے۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے فاضلانہ درس میں چندروز کی حاضری بھی فن سے گہری مناسبت اور واقفیت کی ضمانت تھی۔'' (۲)

''حضرت علامہ نور اللہ مرقدہٗ کا درس طلبائے علوم عربیہ کیلئے ایک بیش بہا اور انمول خزانہ تھا، اور طلبائے دارالعلوم دیوبند کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ۔'' (۳)

''علامہ کا حلقۂ درس عجیب پر کیف ہوتا تھا، نہایت مختصر کلام جامعیت لئے ہوئے، طلباء پر محویت، درس گاہ میں انتہائی سکوت، طلباء کے چہروں سے درس میں ایک خاص بشاشت ظاہر ہوتی تھی، اس بحر العلوم کی درس گاہ سے طلبہ علم کے انمول جواہرات سمیٹ کر رخصت ہوتے تھے۔'' (۴)

''مولانا بلیاویؒ کا سبق بہت شاہانہ ہوتا تھا، آواز بہت تیز نہیں تھی، بالکل اس طرح پڑھاتے تھے جیسے گفتگو کرتے ہوں، مگر ہر طالب علم کوشش کرتا تھا کہ ان کی ہر بات کان میں پڑ جائے، اس لئے بہت غور سے سنتے تھے۔
وہ کم بولتے تھے مگر جو کچھ بول دیتے تھے، وہ حرفِ آخر ہوتا تھا، اسی لئے حضرت شیخ (شیخ الاسلام حضرت مدنی) فرماتے تھے کہ اگر مولانا ابراہیم

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۶ از مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ
(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۷ حاشیہ، از مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ
(۳) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۴۰، از مولانا صادق علی صاحب بستوی
(۴) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۴۵، از مولانا سید آل حسن صاحب دیوبندی
(۵) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم جولائی ۱۹۹۹ء ص ۵۶، از مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

صاحب پہلے وقتوں میں ہوتے تو آج انکے اقوال نقل کئے جاتے۔‘‘(۵)

’’حضرت علامہ کے درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی۔ان کا طرزِ تدریس نرالا اور عالمانہ ومحققانہ تھا۔تفہیم کی صلاحیت ان میں غضب کی تھی۔منطق وفلسفہ کی اہم بحثیں (مثناۃ بالتکریر، دور وتسلسل وغیرہ) اتنی آسان کر دیتے گویا پانی ہوگئیں۔علامہ کی قوتِ استدلال غیر معمولی تھی اس لئے ان کے پاس پڑھنے والا طالب علم مناظر اور قوتِ استدلال میں ممتاز ہوتا۔ان کے درس کی ایک خاص بات یہ تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری مناسبت پیدا ہو جاتی تھی۔وہ صرف زیر درس کتاب ہی نہ پڑھاتے بلکہ اس فن کی دیگر کتابوں کی تمام بحثوں کا نچوڑ پیش کر کے اپنی رائے بھی دے دیتے، اس لئے طلباء میں اس فن کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی۔حضرت نانوتویؒ کے علوم پر ان کی گہری نظر تھی۔علامہ کے اسباق کی اہمیت اس قدر تھی کہ طلباء اور خصوصاً افغانستان اور مکران وغیرہ کے طلباء ان کے کمرے کا طواف کرتے نظر آتے کہ کب طبیعت حاضر ہو اور سبق پڑھاویں۔قاضی اور صدرا وغیرہ بعض فنون کی کتابیں اپنے کمرے میں بھی پڑھا دیتے مگر مسلم شریف کے لئے دارالحدیث ضرور جاتے۔علامہ کو ہر فن پر مکمل دسترس تھی، اور یہ ان کا ایسا کمال تھا کہ جو دیگر اساتذہ سے ان کو ممتاز کر دیتا تھا۔اسی لئے ان کو علامہ اور شیخ المعقول والمنقول کے بھاری بھر کم لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔‘‘(۱)

’’طلباء ان کے درس میں بڑے شوق اور انہماک سے شریک ہوتے تھے اور ان کے افاداتِ عالیہ سے مستفید ہونے کے متمنی رہتے تھے۔درس میں اختصار کے ساتھ بڑی جامعیت کی شان تھی، درس کا انداز نہایت باوقار ہوتا تھا۔ان کے درس کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ تلامذہ میں فن سے گہری

(۱) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۴۹، از مولانا محمد عزیر قاسمی پورہ معروف (۲) ایضاً

مناسبت ہو جاتی تھی اور ان پر علم و دانش کی راہیں کھل جاتی تھیں۔''(۲)

''مولانا کے درس میں تقریر طویل نہیں ہوتی تھی، نہایت جامع اور پر معنی الفاظ استعمال فرماتے تھے۔ مولانا کو فن پر عبور تھا، کتاب کی عبارت اور الفاظ پر زیادہ بحث نہیں فرماتے بلکہ جامع اور پر معنی تقریر فرماتے تھے کہ اگر طالب علم سمجھدار ہوتا اور محنت سے کتاب کا مطالعہ کئے ہوتا تو فن پر عبور حاصل کر لیتا۔''(۱)

''پہلے جو کچھ مصنف نے کہا ہے اور جو کتاب میں ہے اس کا مطلب بیان فرماتے تھے، اس کے بعد مسئلہ زیر بحث کے متعلق متقدمین اور متاخرین کی آراء مع تمام دلائل و براہین کے، اور آخر میں خود اپنی رائے اور فیصلہ نہایت مدلل و مبرہن طور پر ظاہر فرماتے تھے.......... بسا اوقات ایک ہی مسئلہ پر کئی کئی روز مسلسل تقریر ہوتی تھی۔''(۲)

''درسگاہوں اور جلسہ گاہوں میں دیکھا ہے کہ دو دو تین تین گھنٹے کی تقریروں میں سوائے الفاظ کے ریلے کے علم کی بو تک نہیں چھو پاتی، لیکن حضرت علامہ صاحب کو مدرسہ حیات العلوم مراد آباد کے جلسۂ ختم بخاری شریف کے موقعہ پر، بخاری شریف کی آخری حدیث پر تقریر کرتے دیکھا، فرمایا:

''مولوی صاحب! یہ آخری حدیث ہے، اس جگہ بخاری شریف ختم ہے، اس جگہ امام بخاری نے اپنی کتاب کو تسبیح و تحمید والی حدیث پر ختم کیا ہے، اس وجہ سے کہ حدیث شریف میں آیا ہے کان اٰخر کلامہ لا الہ الا اللّٰہ دخل الجنۃ، بس مولوی صاحب جنت کی امید پر بخاری نے اپنی کتاب اس حدیث پر ختم کی ہے۔''(۳)

''حضرت علامہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا حلقۂ درس عجیب پر بہار ہوتا تھا،

(۱) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۷۶ء ص ۱۸، از مولانا عبدالحق صاحب پیش کار اہتمام دارالعلوم دیوبند
(۲) ماہنامہ برہان دہلی جنوری ۱۹۶۸ء ص ۳، از مولانا سعید احمد اکبرآبادی
(۳) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۳، ۲۴، از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

باوجودیکہ موصوف لمبی چوڑی تقریر نہیں فرماتے اور نہ گفتگو برائے گفتگو کرتے تھے۔ نہایت مختصر کلام لیکن دامن میں دریا سمیٹے ہوئے، پوری درسگاہ میں سکوت ہوتا تھا، لیکن دلائل اور جوابات کی کیفیت طلباء کے چہروں سے بشاشت کی صورت میں ظاہر ہوتی تھی۔''

جناب مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال صاحب عثمانی اپنی کتاب ''تفہیم المسلم'' کے مقدمہ میں رقم طراز ہیں:

''مطالبِ حدیث کی وضاحت میں امام نوویؒ کی شرح مسلم کے علاوہ علامہ شبیر احمد عثمانی کی بلند پایہ فتح الملہم کے لعل و جواہر سے مکمل استفادہ کیا گیا ہے، اور مزید خوش قسمتی یہ ہے کہ ہمارے زمانے کے بہترین عالم اور استاذِ حدیث حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کی تقریر درس بھی خاص طور پر پیش نظر رہی ہے۔ حضرت الاستاذ کے درسِ حدیث کا ایک مخصوص رنگ ہے جو اپنی ایک خاص شانِ انفرادیت رکھتا ہے، اور استاذِ عالی قدر کا درسِ مسلم تو حلقۂ علماء میں خاص طور پر معروف ہے۔''(۲)

''صحاحِ ستہ کی مختلف کتابوں کا درس دیا، بالخصوص صحیح مسلم و جامع ترمذی تو عرصۂ دراز تک آپ کے ساتھ مختص رہیں۔ درس کا انداز بالکل محدثانہ ہوتا تھا جس میں معقول کی قدرے آمیزش ہوتی تھی، جس سے ذی صلاحیت طلباء کو بڑا لطف آتا تھا۔............ اپنے اکابر حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی، قطب الارشاد حضرت گنگوہی اور حضرت شیخ الہند کے علوم و تحقیقات پر بڑا عبور تھا، درس میں موقع بموقع انھیں بیان کرتے رہتے تھے۔''(۳)

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۳، از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

(۲) مقدمہ تفہیم المسلم، از مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی

(۳) علمائے دیوبند اور علم حدیث ص ۱۲۴، از مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی

علمی مجالس

دارالعلوم دیوبند سے معمولی دوری پر محلّہ عبدالحق میں واقع ''علامہ منزل'' تقریباً تیس سال تک عصر ومغرب کے درمیان اہل علم اور خواص وعوام کا مرجع بنی رہی۔ بعدالعصر کی اس مجلس میں حضرت علامہ کے دولت کدہ پر حاضر ہونے والوں میں بڑے بڑے اصحابِ علم، اساتذہٗ دارالعلوم اور واردین وصادرین شامل ہوتے تھے۔اس مجلس میں علمی مسائل پر بھی گفتگو ہوتی تھی جس سے بڑی بڑی گتھیاں چٹکیوں میں سلجھ جاتی تھیں۔آپکی عادت یہ تھی کہ اگر کسی نے کوئی سوال اٹھایا تو نہ صرف یہ کہ زبانی اسکی تحقیق بیان فرماتے بلکہ اسی وقت اپنے کتب خانہ سے کتاب منگا کراس کا حوالہ بھی دکھادیا کرتے تھے،جس سے سائل اور سامعین کے علم میں مزید بصیرت پیدا ہوجاتی تھی۔

حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ دورِ طالب علمی کے بعد تقریباً بیس پچیس سال حضرت علامہ کی مجلس بعدالعصر میں حاضری کا میرا معمول رہا۔حضرت علامہ اکثر اس مجلس کواپنی دلی امنگ کے ساتھ ''مجلس خوردونوش'' بھی بنا دیتے تھے جس میں سارے حاضرین شریک رہتے تھے۔دل نہایت وسیع پایا تھا، کھلاکرخوش ہوتے تھےاوراس کے مواقع تلاش فرماتے رہتے تھے۔

حضرت علامہ کی اس مجلس کی دُرافشانیوں کی ایک جھلک ''انمول جواہرات'' کے تحت ہم نذرِ قارئین کریں گے۔یہاں ''علمی مجالس'' کاعنوان قائم کرنے کا مقصد صرف یہ تھا کہ تحصیل علم اور حصولِ نیک صحبت کا ایک اہم ذریعہ یہ مجالس بھی ہوتی تھیں، افسوس کہ اب یہ خصوصیت بھی رخصت ہوئی، اگرکہیں کسی درجہ میں باقی بھی ہےتو وہ ''سازشوں، بدگوئیوں، جاسوسیوں، حلقہ سازیوں، محفل آرائیوں اور مظاہرہٗ طاقت وجمعیت'' کے لوازمات سے خالی نہیں ہوتیں۔حالانکہ حصول علم کے بعد بھی علمائے صالحین کی صحبت اختیار کرنا لازمی ہے۔اللہ والوں کی صحبت میں بیٹھنے سے نہ

صرف یہ کہ علم میں نورِ باطنی پیدا ہوتا ہے بلکہ عادات واخلاق میں درستگی آتی ہے اور ان کی نیک صفات اور عاداتِ حسنہ اپنانے کا دل کے اندر جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس کی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی، اس سلسلہ کا حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایک واقعہ ہم آئندہ کسی عنوان کے تحت ذکر کریں گے۔

جامعیت اور حسنِ تعبیر

''ان کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ مروجہ علوم دینیہ پر ان کی بڑی گہری نظر تھی اور تمام متعلقہ فنون پر پوری گرفت تھی، وہ جامع الفنون تھے اور اس حیثیت سے وہ ہندو پاک کے تمام علماء میں سب سے ممتاز اور منفرد شخصیت کے مالک تھے۔''(۱)

''فنون کی جامعیت یہ تھی کہ فنون متداولہ، منطق، فلسفہ ہیئت، ریاضی، طب جس فن کا مسئلہ سامنے آتا تو اس میں ایسا محققانہ کلام فرماتے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ہر مسئلہ کی تحقیق کا حق ادا کر چکے ہیں اور اس میں ایک منقح اور نکھری ہوئی رائے قائم کئے ہوئے ہیں۔''(۲)

''حضرت مولانا سائلوں کے جواب میں کبھی لمبی تقریر نہیں فرماتے تھے بلکہ چند بنیادی اور اصولی جملے بول دیتے تھے جس سے نہ صرف شبہات ہی ختم ہو جاتے تھے بلکہ علم کی ایک وسیع راہ منکشف ہو جاتی تھی۔یہی صورت تمام علوم معقولہ ومنقولہ میں تھی ،جس سے واضح تھا کہ ہر علم وفن ان کے ذہن میں منقح اور مسائل مستحضر تھے۔''(۳)

''وہ کم بولتے تھے مگر جو کچھ بول دیتے تھے، وہ حرفِ آخر ہوتا تھا، اسی لئے حضرت شیخ (شیخ الاسلام حضرت مدنی) فرماتے تھے کہ اگر مولانا ابراہیم

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۴۴، از امیر شریعت مولانا سید منت اللہ رحمانی

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

صاحب پہلے وقتوں میں ہوتے تو آج ان کے اقوال نقل کئے جاتے۔''(۱)

''بعض احادیث کی تاویل ہوتی رہتی ہے اور سبھی کرتے ہیں، اگر تاویل نہ کی جائے تو بہت سی روایات کا جمع ہونا ممکن نہ رہے۔ اس لئے بعض جملوں کے کئی کئی معنی بتائے جاتے ہیں۔ حضرت علامہ کے یہاں ایسا کبھی نہیں ہوا، وہ فرماتے تھے کہ مولوی صاحب! مصنف جو بات کہتا ہے اس کی منشاء ایک ہی ہوتی ہے، کئی کئی مطلب نہیں ہوتے، اسلئے اسکی منشاء معلوم کرنی چاہئے۔

کسی نے کہا کہ بعض حضرات ایک ایک عبارت کے کئی کئی مطالب بیان فرماتے ہیں، تو فرمایا کہ مولوی صاحب! یہ اتقان کی کمی سے ہوتا ہے اور متکلم کی منشاء ایک ہی ہوتی ہے۔ سبحان اللہ! کیا فرق بتایا۔''(۲)

''علامہ کے یہاں منطق، فلسفہ، حدیث، تفسیر کا کوئی مسئلہ پوچھ لیجئے وہ بر جستہ جواب دیتے تھے اور نہایت اطمینان بخش جواب ہوتا تھا۔''(۳)

''اگر کوئی مستفہم یہ کہے کہ تو نے فخر الدین رازی سے بہتر اور ابن سینا سے زیادہ محقق کوئی دیکھا ہے، تو میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کو دیکھا ہے جو رازیٔ وقت تھے۔''(۴)

محترم جناب حکیم عزیز الرحمٰن صاحب کا قول ہے:

''دار العلوم دیوبند کی تاریخ میں دو ہی عبقری عالم نظر آتے ہیں، ایک حکیم الامت مولانا تھانوی اور دوسرے علامہ محمد ابراہیم بلیاوی۔''(۵)

''حضرت علامہ جملہ علوم وفنون بالخصوص معقولات میں اپنے وقت کے امام تسلیم کئے جاتے تھے، درسِ حدیث میں بھی خاص ملکہ تھا۔''(۶)

''حاضر جوابی اور بذلہ سنجی میں فرد تھے۔ کوئی کیسا ہی منطقی قسم کا آدمی ہوا نکے سامنے پیش نہیں جا سکتا تھا۔ دیوبند کے حلقہ میں ہمیں نہیں معلوم کہ انکے

---

(۱) ماہنامہ ترجمانِ دار العلوم جولائی ۱۹۹۹ء ص ۵۶، از مولانا افضال الحق جوہر قاسمی (۲) ایضاً ص ۵۷
(۳) ایضاً ص ۵۷ (۴) از قاضی زاہد الحسینی صاحب، سوانح مولانا غلام رسول خاں صاحب ہزاروی ص ۲۸
(۵) دنیائے اسلام کی چند عظیم شخصیتیں ص ۵۴ (۶) علمائے دیوبند اور علم حدیث ص ۱۲۳

سوا کسی اور کو بھی ''علامہ'' کے لقب سے عام طور پر پکارا یا یاد کیا گیا ہو۔''(۱)

''زیر بحث مسئلہ وجود کا ہو یا علم کا، یا جعل بسیط یا جعل مرکب کا، غرض مبحث کیسا ہی دقیق اور غامض ہو، تقریر بہر حال سکون و اطمینان اور کامل خود اعتمادی کے ساتھ ہوتی تھی، زبان نہایت شستہ اور لب ولہجہ بے حد پر وقار، اگر چہ ظرافت سے خالی نہیں، لیکن وسعت اور دقتِ نظر کا یہ عالم! معلوم ہوتا تھا کہ ایک بحر بے کرانِ علم موجزن ہے۔''(۲)

علامہ کی شخصیت کے کچھ اور گوشے

اب ہم اہل علم حضرات کی تحریری شہادتوں کے کچھ اقتباسات ہدیۂ ناظرین کریں گے تاکہ قارئین حضرات حضرت علامہ بلیاوی کی خصوصیات وکمالات، افکار و رجحانات، علوم وفنون میں جامعیت، حاضر جوابی اور نکتہ سنجی، اسلامی علوم میں نبوغ و نفوذ، ضیافت و مہمان نوازی، لطائف و ظرائف، مرجعیت و مرکزیت، تواضع و انکساری، سیرت وکردار کی بلندی، قناعت وصبر اور استغناء وخودداری کی ایک جھلک دیکھ سکیں۔ ان مختصر اقتباسات کے بعد بطور ثبوت ودلیل بعض واقعات وتحریرات پیش کی جائیں گی جو ایک طرح سے ان مجمل اقتباسات کی بسط وتفصیل ہے۔

''انتظامی معاملات میں کبھی اساتذہ پر ناراض ہوتے، شعبۂ تعلیمات سے تحریر روانہ ہوتی، اس تحریر کے نوک و پلک قہر آلود دکھائی دیتے، خود معتوب شخصیت کو اندازہ ہوتا کہ اس بار پرزے اڑنے کا منظر سامنے آکر رہے گا، لیکن یہی معتوب شاگرد جب سامنے جا کھڑا ہوتا تو مسکرا دیتے، گویا کہ چھوٹوں کی نیاز مندی قبول کرنے کا حوصلہ رکھتے۔ تلامذہ جو اُن کے سب ماتحت تھے، ان کو کبھی مقابل نہ بناتے بلکہ بزرگانہ عظمت کو باقی رکھتے ہوئے الجھے ہوئے معاملات چٹکیوں میں حل کرتے۔ بہت غصہ ہوتے تو

(۱) ازمولانا سعید احمد اکبر آبادی، ماہنامہ برہان دہلی جنوری ۱۹۶۸ (۲) ایضاً

بس اتنا کہتے کہ ’’مولوی صاحب! پھر ہم بہت ناراض ہو جائیں گے‘‘۔

ایک مرتبہ سالانہ امتحان کے موقع پر ایک ذمہ دار نے ایک نگراں کو کسی امتحانی خیانت میں مبتلا پایا، وہ اسے کھینچ کر سامنے لائے اور قہر آلود لہجہ میں کیسے خوفناک انداز میں پیش کیا۔ حضرت علامہ سب کچھ سننے کے بعد صرف اتنا بولے ’’مولوی صاحب! تم ہمارے سامنے سے چلے جاؤ ورنہ ہم خفا ہو جائیں گے‘‘ اور ماخوذ نگراں عدالتِ عالیہ کے اس آخری فیصلہ کو سن کر نو دو گیارہ ہوگیا۔‘‘ (۱)

’’تواضع اور کسر نفسی آخری عمر میں زیادہ بڑھ گئی تھی، اگر مجلس نشینوں میں سے کسی کے بارے میں انھیں یہ خیال گزر گیا کہ وہ ان کی کسی بات سے دل گرفتہ ہوگیا ہے تو بسا اوقات اس کے گھر پہونچ کر کھلے لفظوں میں معافی مانگتے، وہ حیران ہوتا کہ وہ ان کی کسی بات سے دل گرفتہ نہیں ہوا، اور نہ اسے اس کی جرأت تھی، فرماتے کہ بہرحال مجھے یہ خیال گذرا، اس لئے میں معافی مانگنے آیا ہوں۔‘‘ (۲)

’’ذوقِ اکابر سے بھرپور تھے، مسلک کے شدت سے پابند تھے۔ چھوٹی سے چھوٹی بات بھی جس کی زد مسلک اور ذوقِ اکابر پر پڑتی ہو برداشت نہیں فرماتے تھے۔ احقر نے مسلک دیوبند کے بارے میں ایک تحریر مرتب کی اور جستہ جستہ اس کے حصے زبانی عرض کئے، جن پر کچھ تنقید فرمائی، تب میں نے وقت لیا اور اول سے آخر تک تحریر پڑھ کر سنائی، جس میں اساتذہ بھی شریک ہوئے۔ اس پر کہیں کہیں تنقیدات فرما کر الفاظ میں کچھ ردّ و بدل کرایا، جس سے اس کے بارے میں اطمینان ہوا۔‘‘ (۳)

’’مزاج میں بے نیازی بے پناہ تھی، غناء اور سیر چشمی کوٹ کوٹ کر بھری

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۷، ۲۸، از مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (۳) ایضاً ص ۳۲

ہوئی تھی، اس لئے عمر بھر ایک نہج کی زندگی پر قانع رہے۔ بے نوائی کے دور میں زبان شکایت سے مبرا رہی اور عروج واقتدار کے لمحات میں تکلفات سے خالی زندگی گذار گئے۔'' (۱)

''مزاج میں یکسوئی کا غلبہ تھا۔ درس کے علاوہ تمام وقت قیام گاہ ہی پر گذرتا تھا، لیکن اس کے باوجود معاملات پر نظر وسیع رہتی تھی، جیسے وہ معاملہ کے تمام نشیب وفراز سے واقف ہیں، اور پھر اس میں نکھری ہوئی رائے ظاہر فرمادیتے تھے۔'' (۲)

''علم جامع کے ہوتے ہوئے اخلاقی قدریں بھی بلند تھیں، تحمل، بردباری، ہضم نفس، غنا اور یکسوئی معاملات میں پیش پیش رہتی تھی۔ بزرگوں کی سیرت اور ذوقِ اکابر پر کافی نظر تھی۔ نہ صرف تاریخی طور پر بلکہ آپ بیتی کے انداز سے اس بارے میں اپنے بلا واسطہ مسموعات ومشاہدات پیش فرمادیا کرتے تھے۔'' (۳)

''علامہ بلیاوی مرحوم بے حد ذہین وفطین، عالی دماغ، بڑے تجربہ کار، نباض اور مردم شناس تھے۔ ہر فن خصوصاً منطق وفلسفہ اور علم کلام وعقائد میں یگانۂ روزگار تھے۔ اتنا وجیہ عالم اور فاضل استاذ اور ایسی مردم ساز شخصیت کم پیدا ہوتی ہے۔ ان کا علمی تبحر ایسا تھا کہ دارالعلوم کے بڑے بڑے اساتذہ اپنی علمی مشکلات کے حل کے لئے ان سے رجوع کرتے اور علامہ ان کی مشکل آسان کردیتے۔'' (۴)

''علامہ میں ظرافت اور نکتہ سنجی بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی اس لئے دقیق سے دقیق مسائل پر بحث کے دوران بھی طلباء کو اکتاہٹ محسوس نہ ہوتی۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۷، از مولانا سید انظر شاہ کشمیری مدظلہٗ

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۳) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۴) ترجمانِ دارالعلوم ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۴۹، از مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی

ان کا درس پر مغز پر وقار ہونے کے ساتھ لطائف وظرائف سے بھی مرصع ہوتا تھا۔ ظریفانہ انداز میں بڑی اونچی باتیں فرمادیتے۔ ایک بار فرمایا کہ فارسی زبان اب صرف تین جگہ رہ گئی ہے، حکیم کے نسخے میں، پٹواری کے کھاتے میں اور اِنّما کے معنیٰ میں (واضح رہے کہ اِنّما کا ترجمہ مدارس میں عموماً ''جز ایں نیست'' کیا جاتا ہے)۔ شارحِ مسلم امام نوویؒ کو تطویل پسندی کے بارے میں مزاحاً کہتے کہ نوویؒ تو میلاد خواں ہے، ہر حدیث کی اتنی لمبی شرح کرتا ہے جیسے کوئی میلاد پڑھنے والا اپنے خطاب میں طول لا طائل بھر دیتا ہے۔''(۱)

''علامہ کے مخصوص اوصاف میں غیرت اور متانت کو خاص مقام حاصل تھا۔ ابتداء ہی سے ان کی طبیعت میں شاہانہ وقار تھا۔ جو اخیر عمر تک باقی رہا۔ غیرت وخودداری ان کے خمیر تھی۔ کچھ لوگ ان کی آرام طلبی کو بے ادبی سے کاہلی کا نام دیتے تھے مگر دراصل ان کا دماغ ومزاج رئیسانہ تھا۔ ہر کام بڑے اطمینان سے کرتے اور عجلت نہ کرتے۔ اس کے برخلاف شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحبؒ بہت چاق وچوبند اور پابند اوقات تھے کہ گھنٹہ ہوا اور جلدی جلدی کلاس میں جانے لگے۔ علامہ کو مستقل مزاجی، خود اعتمادی، اولوالعزمی اور شجاعت ودلیری سے بھی حصۂ وافر ملا تھا۔''(۲)

''ذکاوت امتیازی شان کی تھی، سوال کے پہلے ہی جملہ سے سائل کا منشاء اور خود سائل کو سمجھ جاتے تھے اور سوال پورا ہونے سے پہلے دو لفظوں میں منقح اور واضح جواب فرمادیتے تھے، جس سے نفس مسئلہ بھی حل ہو جاتا اور سائل خود بھی سمجھ لیتا تھا کہ وہ کتنے پانی میں ہے۔''(۳)

---

(۱) ترجمانِ دارالعلوم ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۴۹، مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی

(۱) ترجمانِ دارالعلوم ستمبر ۱۹۹۷ء ص ۴۹، مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی

(۳) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۲، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

ایک کرامت

قاضی پورہ (بلیا) کے لوگ علماء سے ایک طرح سے بدظن تھے۔ حضرت علامہ نے جب اپنی دونوں لڑکیوں کی شادی کی تو اتفاق کہ کھانے کے وقت مجمع مدعو حضرات سے کہیں زیادہ تھا، مجمع کی یہ کثرت دیکھتے ہوئے منتظمین (جو اکثر علامہ کے اہل خاندان تھے) نے عرض کیا کہ حضرت کھانا بہت کم پڑے گا، آپ کھانے کے پاس تشریف لے گئے اور اس پر رومال ڈال کر کھڑے ہوگئے اور پھر قدرتِ خداوندی کا ظہور اس طرح ہوا کہ تمام مجمع کھانے سے فارغ ہوگیا اور کھانا کافی مقدار میں بچ گیا۔ آپ کی یہ زندہ کرامت دیکھ کر منتظمین اور اہل بستی نہ صرف حیرت زدہ رہ گئے بلکہ آپ کے گرویدہ ہوگئے۔ اس کے بعد بلیا آمدورفت کے موقع پر ہمیشہ جلوس کی شکل ہوتی تھی۔ (بروایت محمد عمران اختر صاحب حفید علامہ مرحوم)

انمول جواہرات

سفر معراج

ایک مرتبہ معراج والی روایت آئی تو کسی لڑکے نے پوچھا کہ حضرت فلک الافلاک کی حرکت بہت تیز ہے تو معراج کا سفر کیسے ہوا؟ حضرت علامہ نے برجستہ فرمایا:

''مولوی صاحب! کرہ گول ہوتا ہے اور کرہ کی حرکت محور پر نہیں ہوتی مدار پر ہوتی ہے، اس لئے جبرائیل علیہ السلام کو معلوم ہوگا کہ حرکت کہاں سریع ہے کہاں بطی ہے، جہاں حرکت کم تھی وہاں سے گزار کر لئے گئے ہوں گے، اس لئے کہ وہی سفر کرا رہے تھے۔''(۱)

نور یا منور

ایک مرتبہ مجھ سے اور ایک مولوی صاحب سے علم کی تعریف پر بحث ہوگئی، اور اس میں سلم اور ملاحسن کے حوالے دیئے گئے، کتاب لائی گئی پھر بھی میں اپنی رائے پر اور وہ مولوی صاحب اپنی رائے پر قائم رہے اور ہم دونوں اس پر متفق ہو کر علیحدہ ہوئے کہ اختلافِ رائے قائم ہے۔

میں نے جا کر حضرت علامہ سے دریافت کیا تو حسبِ عادت پوچھا کہ مولوی صاحب! کہاں سے شبہ ہوا؟ میں نے عرض کیا کہ حجۃ اللہ البالغہ اور ملاحسن کی عبارتوں سے بھی مسئلہ حل نہیں ہوا، میں یہ کہتا تھا، دوسرے صاحب یہ کہہ رہے تھے، فرمایا:

''مولوی صاحب! صاحبِ سلم نے جو فرمایا ہے کالنور والسرور تو اس نے نور کہا ہے منور نہیں کہا ہے، اور یہ چاند، سورج، ستارے سب منور ہیں، نور نہیں ہیں۔ نور ان سب کا مبدأ ہے اور ان میں مشترک ہے۔ مسئلہ بحمد للہ

(۱) ترجمانِ دارالعلوم جولائی ۱۹۹۹ء ص ۵۶، از مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

حل ہوگیا، اس ''نور اور منور'' کی تشریح سے ذہن صاف ہوگیا۔ ہم دونوں اس میں امتیاز نہیں کر پا رہے تھے۔(۱)

گلستانِ سعدی

علامہ بلیاوی کی حکیمانہ باتیں ان کے طویل تجربات کا نچوڑ ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ طلباء سے فرمایا:

''گلستانِ سعدی تعلیم سے فراغت کے بعد جب پڑھائیے گا تب سمجھ میں آئے گی۔ طالب علم سمجھتا ہے کہ میں نے سمجھ لیا لیکن مدرس بنے گا تب اس کو صحیح طور پر سمجھے گا۔''

تدریس کے لئے مطالعہ کی نصیحت بھی فرماتے کہ بغیر مطالعہ کے سبق پڑھانے نہ بیٹھنا۔ ممکن ہے طالب علم کوئی بات پوچھ لے اور ذہن میں نہ ہو تو ندامت ہوگی۔ کتاب دیکھ لینے سے سب تازہ ہوجاتا ہے، خود علامہ بھی سبق پڑھانے سے پہلے ایک نظر کتاب کا مطالعہ ضرور کرتے۔(۲)

وقت علامت ہے نہ کہ سبب

''راقم الحروف کو جب کبھی کوئی علمی اشکال پیش آتا تھا تو آپ ہی کی طرف رجوع کرتا تھا اور آپ چٹکی بجاتے میں اس طرح اسے حل فرما دیتے تھے کہ دل میں کوئی خلش باقی نہ رہتی تھی۔ ابھی ڈیڑھ دو برس پہلے کی بات ہے کہ ایک دن صبح کو ناشتہ ساتھ کرتے ہوئے میں نے عرض کیا حضرت! جن مقامات پر سورج کئی کئی مہینہ کے بعد طلوع ہوتا ہے وہاں پنج وقتہ نماز ادا کرنے کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟ کیونکہ وقت نماز کے لئے سببِ وجوب ادا ہے، تو جب سبب ہی نہیں تو وجوب کس طرح ہوسکتا ہے؟ میں ہکا بکا رہ گیا جب حضرت الاستاذ نے جواب میں فوراً فرمایا:

(۱) ترجمانِ دارالعلوم جولائی ۱۹۹۹ء ص ۵۷، ۵۸، از مولانا افضال الحق جوہر قاسمی

(۲) ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۰، از مولانا محمد عزیر صاحب قاسمی

''وقت'' سبب کہاں ہے؟ صرف ایک علامت ہے اور فقدانِ علامت سے ذی علامت کا فقدان لازم نہیں آتا۔''(۱)

کونسی مدح مستحسن ہے اور کونسی مذموم

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب الہ آبادی نے حضرت علامہ کے پاس دو باتوں کے متعلق استفسار فرمایا، ایک یہ کہ کتاب الاعتصام کے مصنف ابواسحاق شاطبی کی علمی حیثیت اور ان کی تحقیق و تدقیق کا علمی دنیا میں معیار، دوسرے مدح کے متعلق کہ بعض احادیث سے اس کی ممانعت اور بعض سے اباحت بلکہ استحسان معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اس سلسلے میں قولِ فیصل کیا ہے؟ حضرت علامہ نے جواب میں فرمایا کہ:

پیشہ ورانہ مدح کی نہی و مذمت مراد ہے اور عام مدح کی نہی مراد ہی نہیں ہے، اور نہی مطلق کسی طرح ثابت نہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں مولانا محمد فاروق صاحب چریاکوٹی کا ایک کلیہ بیان کیا کہ وہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ کے تحت آتا ہے، اس میں تعیین جہت نہیں ہے، اس لئے نہی کی جہت جو اکابر صحابہ، تابعین اور مشائخ نے متعین کردی ہے وہی مراد لی جائے گی۔ یعنی جو مستحقین مدح وستائش ہیں ان کی مدح کرنا جائز ہے خواہ مدح ان کے روبرو ہی کیوں نہ ہو بلکہ بعض مواقع ایسے ہیں کہ مدح واجب ہو جاتی ہے۔(۲)

علاوہ ازیں حضرت علیہ السلام کی مدح حضرت حسانؓ فرماتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے سنتے تھے اور سنکر خوش ہوتے اور دعائیں دیتے تھے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وارثین انبیاء کی مدح کرنا بھی سنت ہے، مادحین کو وہی ثواب ملے گا جو خود اصل کی مدح کرنے والوں کو ملتا ہے، اس لئے کہ یہ براہِ راست نہیں بالواسطہ نبی علیہ السلام کی مدح ہوئی جیسا کہ

---

(۱) ماہنامہ برہان دہلی جنوری ۱۹۶۸ء، از مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی

(۲) ماہنامہ معرفتِ حق الہ آباد جون ۱۹۷۳ء ص ۳۲

حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے اپنے قصیدے میں جو کہ حضرت میاں جی قدس سرہٗ کو پیش کرنا چاہتے تھے اس کی اجازت کے موقع پر میاں جی صاحب نے فرمایا کہ میری مدح کیا کرتے ہو، اللہ اور رسول کی مدح کرو، اس کا جو جواب حضرت حاجی صاحب نے میانجی (نور محمد صاحب جھنجھانویؒ) کو دیا وہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ عرض کیا کہ میری کیا مجال کہ میں اللہ اور رسول کے علاوہ کسی دوسرے کی تعریف کروں، اور حضرت کی مدح کو میں اللہ اور رسول ہی کی مدح سمجھتا ہوں۔ حضرت میانجی اس جواب سے بہت خوش ہوئے اور قصیدہ سن کر دو سرخ جوڑے عطا فرمائے۔ جب ہمارے سرکردہ اس کو اسی طرح سمجھ چکے ہیں تو ہمیں پھر اس بات کو اس انداز سے سمجھنے میں کوئی زحمت نہیں معلوم ہوئی۔(۱)

مولانا رومؒ نے مدح کی مذمت میں بہت کچھ لکھا ہے، علماء اور شراحِ حدیث نے بھی اس موضوع پر کچھ کم نہیں لکھا ہے، اس میں حضرت علامہ نے جو تطبیق کی واضح شکل بیان فرمائی وہ قابل توجہ ہے۔

الاعتصام کے مصنف شاطبیؒ

شاطبی معتدل مزاج ہیں، الموافقات ان کے فقہی مسائل میں انکے اعتدال کی دلیل ہے اور الاعتصام میں طریقِ صوفیہ و محدثین میں راہِ اعتدال کی جانب رہنمائی فرمائی ہے، ان کی کتاب سے انھیں لوگوں کو مناسبت ہوگی جو معتدل المزاج ہوں گے۔(۲)

ایک پرلطف توجیہ

مس مرأۃ اور مس ذکر کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ان سے وضو نہیں ٹوٹتا، جب کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ان سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۱) ماہنامہ معرفتِ حق الہ آباد جولائی ۱۹۷۳ء ص ۲۵ (۲) ایضاً

اس اختلاف کی وجہ بیان کرتے ہوئے ایک بار حضرت علامہ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! فلاں فلاں حدیث تو ہماری دلیل ہیں، لیکن مولوی صاحب! یہ یاد رکھو امام شافعی صاحبؒ نے جب یہ مسئلہ بیان کیا تھا تو وہ نوجوان تھے، اور امام ابوحنیفہؒ کبیر السن تھے۔''(۱)

عربی مدارس کا نصابِ تعلیم

کسی نے ذکر کیا کہ حضرت مدارسِ دینیہ کے نصاب میں تبدیلی کی ضرورت ہے، یہ پرانا نصاب خواہ مخواہ پتھر کی ایک لکیر بن کر رہ گیا ہے۔ ہنس کر فرمایا:

''مولوی صاحب! معلم کے بارے میں لوگ زبان نہیں کھول سکتے کیونکہ اس کے ہاتھ میں ڈنڈا ہے جس سے سب دبتے ہیں۔ طالب علموں کے بارے میں کچھ نہیں بول سکتے کہ یہ بھڑوں کا چھتہ ہے جس سے لوگ خائف ہیں، بے زبان بیچارہ نصاب رہ جاتا ہے، اسلئے سب اسی کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد نصاب کے بارے میں تحقیقی تقریر فرمائی۔''(۱)

نصابِ تعلیم کے سلسلہ میں حضرت علامہ کا ایک ملفوظ جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری دامت برکاتہم نے بھی نقل کیا ہے۔ حضرت علامہ نے اس سلسلہ میں جو بنیادی بات بیان فرمائی وہ اگر ذہن میں رہے تو ''اصلاحِ نصاب'' کے داعیوں اور ان کے ہمنواؤں کو اس سے بڑی رہنمائی حاصل ہوسکتی ہے۔ اگلے عنوان کے تحت وہ ملفوظ آرہا ہے۔

نصاب تعلیم کی تشکیل جدید کیوں اور کیسے؟

سینٹرل انسٹی ٹیوٹ آف انگلش اینڈ فارن لنگویجز حیدر آباد شعبۂ عربی نے محکمہ وزارتِ تعلیم ہند کی تجویز کے مطابق مورخہ ۶ رتا ۸ رستمبر ۱۹۸۹ء کو ایک نیشنل سیمینار کا اہتمام کیا جس میں ملک کی مشہور دینی وعلمی درسگاہوں میں

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۲۳، از مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری

(۲) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۲، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

سے دارالعلوم حیدرآباد، سبیل الرشاد حیدرآباد، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ تاج المساجد بھوپال، جامعہ سلفیہ بنارس، ندوۃ العلماء لکھنؤ وغیرہ کے مقتدر نمائندوں نے شرکت کی۔ دارالعلوم دیوبند کی طرف سے نمائندگی کا فریضہ جناب مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری نے انجام دیا۔ اس موقع پر آپ نے تعلیمی انحطاط کا ذمہ دار صرف نصابِ تعلیم کو ماننے سے صاف انکار کرتے ہوئے اس کے کئی عوامل ومحرکات کی نشاندہی فرمائی۔ (جو دراصل علامہ صاحب سے اس جامع مقولہ کی تشریح ہے جو آگے آرہا ہے)

مقالہ کے دوران آپ نے فرمایا ''یہ سب حضرات سمجھتے ہیں کہ اس ابتری کا سبب نصابِ تعلیم کی فرسودگی ہے، جب تک نصابِ تعلیم نہیں بدلا جائے گا موجودہ صورتِ حال نہیں بدلے گی۔ لیکن یہ خیال کچھ زیادہ مبنی بر حقیقت نہیں ہے، مجھے اپنے استاذ حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی قدس سرہٗ (سابق صدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند) کا ارشاد یاد ہے کہ:

''تعلیم میں مؤثر تین عوامل ہیں۔ طالب علم کی محنت، استاذ کی مہارت اور نصاب کی خوبی۔'' (۱)

مجلس شوریٰ میں تبدیلیٔ نصاب کی وکالت

روایت ہے کہ ایک صاحب جو مجلس شوریٰ دارالعلوم کے باوقار رکن اور دارالعلوم دیوبند کی فضیلت کے ساتھ ساتھ عصری علوم کی ڈگری اور شناخت بھی ساتھ رکھتے تھے، حضرت علامہ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے شوریٰ کے اجلاس میں تبدیلیٔ نصاب کی حمایت اور موجودہ نصاب کی فرسودگی پر زوردار تقریر فرمائی اور اپنا موقف نہایت ہی مدلل انداز میں پیش کیا۔ حاضرین مجلس صدرِ مجلس کے ردِّ عمل کے منتظر تھے، اور یہ سوچ رہے تھے کہ دیکھئے اب علامہ بلیاوی کس طرح حامیٔ تبدیلی کی دلی تشفی فرمائیں گے، اتنے میں حضرت نے نہایت باوقار لہجے میں فرمایا:

(۱) ماہنامہ دارالعلوم اکتوبر ۱۹۸۹ء

''مولوی صاحب! آپ جس نصابِ تعلیم کو فرسودہ اور قابل تبدیل فرما رہے ہیں، اسی کے ذریعہ آپ کے اندر اتنی صلاحیت و قابلیت پیدا ہوئی ہے جو آپنے اتنی زوردار تقریر فرمائی اور اپنے مافی الضمیر کو اتنے مدلل انداز میں پیش کیا۔''

حضرت کا یہ فرمانا تھا کہ ان کی ساری محنت اور تقریر دھوئیں کی طرح تحلیل اور بے اثر ہوگئی اور حاضرین مجلس حضرت علامہ کی اس حاضر جوابی اور نکتہ آفرینی پر حیران اور دَم بخود رہ گئے۔

بات نصابِ تعلیم کی چل رہی ہے تو ایسے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعلق سے ماضی قریب کے چند معتبر علماء اور اصحابِ درس کی رائے بھی لکھ دی جائے۔ اس سے ایک نقد فائدہ تو یہ ہوگا کہ حضرت علامہ بلیاوی کا اس بارے میں جو موقف تھا اس کی تائید و افادیت ظاہر ہو جائے گی۔ اور اس سلسلہ میں جن لوگوں کے دل میں جو شکوک و شبہات ہیں ان کو دور کرنے کے لئے انھیں ایک موقع اور توجیہ حاصل ہو جائے گی، نیز جو حضرات مدارسِ اسلامیہ کے نصابِ تعلیم کو فرسودہ اور قابل تبدیل سمجھتے ہیں ان پر اس کی اہمیت و افادیت اجاگر ہوکر ایک حجت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ ہر میدان میں رائے اور مشورہ اسی کا قابل توجہ اور معتبر ہوتا ہے جو اس میدان کا ماہر اور اس میدان کے ماہرین کی نظر میں اس کی شخصیت مسلم و معتبر ہو۔

حضرت قاری صاحب کا شیخ عبداللہ کے نام ایک خط

برصغیر میں ایک خصوصی نہج اور نظام کے تحت چلنے والے دینی عربی مدارس کے نصابِ درس کے متعلق حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے شیر کشمیر شیخ عبداللہ کو ایک خط میں تحریر فرمایا:

''جہاں تک نصاب کا تعلق ہے وہ درسِ نظامی سے بہتر دوسرا نہیں ہے۔ سو برس سے اسکا تجربہ کیا جا رہا ہے اور اسی سے اس سو سال میں بڑے بڑے

معیاری اور مثالی علماء وفضلاء تیار ہو کر قوم کیلئے فائدہ رساں ثابت ہو چکے ہیں۔ کسی ملک اور خطہ کی خاص ضروریات یا وقت کے تقاضوں سے اگر جزوی ترمیم ہو تو مضائقہ نہیں، لیکن نوعی طور پر اسکی تبدیلی مفید نہ ہوگی۔'' (۱)

درسِ نظامی کی افادیت پر حضرت شیخ الحدیث کا مضمون

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نے اس بارے میں ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ اس نصاب کے تبدیل کرنے میں کیا خرابی ہے اور اس کے باقی رکھنے میں کیا فائدے ہیں۔ فرمایا:

اسی طرح یہ ناکارہ تبدیلیٔ نصاب کا بھی سخت مخالف ہو گیا۔ میں اپنی طلبِ علم کی تفصیلات میں لکھوا چکا ہوں کہ میں نے درسِ نظامی کی پابندی سے نہیں پڑھا۔ میرے والد صاحب نور اللہ مرقدہٗ تدریس میں خود مجتہد تھے، اس لئے اپنی ابتدائے مدرسی میں تو تبدیل نصاب کا خبط مجھ پر بھی خوب سوار تھا۔ ۱۳۳۵ھ سے ۱۳۳۸ھ تک ساری دنیا کے نصاب ڈھونڈ کر منگائے تھے۔ ندوہ کا، اہل حدیث کے مدارس کا، حرمین کے مدارس کا، اور دو نصاب مرتب کئے، ایک مطول، ایک مختصر۔ اول نصاب آٹھ سالہ ان لوگوں کے لئے جن کو پڑھنے کے بعد پڑھانے کے اسباب میسر ہوں، مالی اور گھریلو حالات سے۔ مثلاً یہ کہ ان کے خاندان میں اوپر کے علم کا ذوق و شوق چلا آ رہا ہو۔ دوسرا مختصر نصاب سہ سالہ، ان لوگوں کے لحاظ سے جن کے متعلق یہ معلوم ہو کہ یہ پڑھنے پڑھانے کے کام کے نہیں، بلکہ یہ پڑھنے پڑھانے کے بعد طبیب یا کاشتکار بنیں گے۔ شطرنج کے کھلاڑیوں کی طرح سے میرا دماغ دن رات ان ہی میں گھومتا رہتا تھا اور بہت ہی غور وخوض سے میں نے یہ نصاب مرتب کیا تھا۔ اس وقت تو ایک مختصر سا رسالہ لکھ کر شائع کرنیکا بھی ارادہ تھا، لیکن جوں جوں تدریس کا زمانہ یا تجربہ بڑھتا رہا،

(۱) مکاتیب طیب ص ۱۴۶

تبدیل نصاب کا خبط میرے دماغ سے نکلتا رہا۔ایک دو کتاب کا تغیر علوم آلیہ میں ہو جائے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں،لیکن فقہ،اصولِ حدیث وتفسیر اور علومِ آلیہ کی اہم کتب کافیہ،شرح جامی جیسی کتب میں تغیر کا بالکل قائل نہیں ہوں ،جس کی بہت سی وجوہ ہیں۔ بڑی وجہ تو یہ ہے کہ انگریزی نصاب کے آئے دن کے تغیرات دیکھ کر یہ اندازہ ہوا کہ اگر مدارسِ عربیہ میں بھی یہ سلسلہ شروع ہو گیا اور ہر دس بارہ برس کے بعد نئی نسل اپنی جولانیاں دکھانی شروع کرے گی ،اور کیوں نہیں کرے گی ،تو یہ نصاب رفتہ رفتہ وہ شیر بن جائے گا جس کی تصویر اپنی کمر پر کھنچوانی چاہی تھی ،لیکن دُم، ہاتھ، پاؤں،کان،ناک ہر ایک کے بنانے میں جو تکلیف ہوئی تو وہ یہ کہہ کر انکار کرتا رہا کہ بغیر دُم کا بھی تو شیر ہوتا ہے اور بغیر ہاتھ کا بھی شیر ہوتا ہے۔

درسِ نظامی کی ابتدا کی طرح سے ہر محقق اور ہر با اثر یہ چاہے گا کہ اس کی تصنیف ضرور داخل نصاب ہو،جس کی نظیریں اپنی ابتدائے مدرسی سے لے کر ابتک بارہا خوب دیکھیں ،لیکن درسِ نظامی کو اللہ نے وہ مقبولیت عطا فرما رکھی ہے کہ اس میں عمومی کھپت کی گنجائش نہیں رہی ،اس لئے لوگوں کی مساعی اس کے خلاف ناکام ہی ہوتی آرہی ہیں۔

مروجہ نصاب کی اتنی خدمت ہو چکی ہے،شروح وحواشی ضرورت سے زیادہ لکھے جا چکے ہیں،جن کا حال اہل علم کو خوب معلوم ہے۔متبدل نصاب کی اتنی خدمت کرنیوالے میرے خیال میں اب پیدا نہ ہوں گے ،اور اگر کچھ ہمت والے آستینیں چڑھائیں گے بھی تو جتنی شروح وحواشی درسِ نظامی کی کتب کی سو برس میں لکھی گئی ہیں،ان سے آدھی کے لئے کم از کم پچاس برس چاہئیں ،اور اگر یہ سلسلہ جاری ہو گیا تو اتنی مدت میں نہ معلوم کتنی تبدیلیاں اور پیدا ہوں گی۔

میں دوسروں کو تو نہیں کہوں گا مگر اپنے شاگردوں کو جرأت کر کے کہہ سکتا

ہوں کہ ان کی استعدادیں جیسی ہیں وہ موجودہ نصاب کی کتب کو تو شروح و حواشی کی مدد سے کسی نہ کسی درجہ میں پڑھالیں گے، لیکن کوئی نئی کتاب جس کی نہ شرح ہو نہ حاشیہ، تو نوّے فی صد ایسے ہیں جو نہیں پڑھا سکتے۔ ایک شرح جامی کو لے لو کہ اس کی جگہ اگر ابن عقیل رکھ دی جائے جو مجھے بھی یاد ہے، کہ میں نے اپنے خبط کے زمانے میں نصاب میں تجویز کی تھی، تو اس کا پڑھانے والا اگر علمائے زمانہ کی توہین نہ ہو تو میرے خیال میں بہت دشواری سے ملے گا، اس لئے کہ اس کی کوئی شرح نہیں ملے گی، اور شرح جامی کی اردو، عربی، فارسی بے حد شروح ملیں گی، جو مدرسین حضرات سے دیکھی بھی نہیں جائیں گی۔ نسائی، ابن ماجہ کی جگہ اگر تیسیر الوصول رکھ دی جاوے تو ان دونوں کے شروح بکثرت موجود نہ ہونے کے باوجود مختلف مطابع مختلف حواشی اس قدر کافی ہیں کہ شروح کی ضرورت نہیں، اور تیسیر الوصول کا ایک بھی حاشیہ نہیں ملے گا۔ ابن ماجہ شریف کے لئے انجاح الحاجۃ کافی سے زیادہ ہے، اور ایک انجاح الحاجۃ ہی ایسا متبرک حاشیہ ہے کہ اس جیسا تیسیر الوصول کے لئے ملنا بھی مشکل ہے۔

یہ مدرسین کی نئی پود جن میں سے بہت سے تو اپنی وجاہت اور سفارشوں سے مدرس ہو گئے اور ان کے پڑھنے کا زمانہ ہماری نگاہوں میں ہے، اردو کی شرح اور حواشی دیکھ کر کچھ دال دلیہ کر سکتے ہیں، مگر جن کی کوئی شرح نہ ہو اس کو اپنی تقریر کے زور سے اڑا دیں تو ممکن ہے، جس کے متعلق میرا خود ذاتی تجربہ بھی ہے کہ بعض نو مدرسین جن کی تقریر شستہ ہو، آج کل جس کا رواج خوب ہے، وہ اپنے اس زور سے چلا تو دیتے ہیں، مگر جب خود نہیں سمجھے تو طالب علم کیا سمجھے گا۔'' (۱)

حضرت شیخ نے اس نصاب کی خدمت والی جو وجہ بیان فرمائی ہے وہ آبِ زر

(۱) آپ بیتی نمبر ۳ جلد اص ۲۱۱ تا ۲۱۳

سے لکھنے اور جاں گزیں کرنے کے لائق ہے۔

ندوہ میں مولانا اکبرآبادی کا ایک خطاب

مولانا سعید احمد اکبرآبادی نے پچاسی سالہ جشنِ ندوۃ العلماء لکھنؤ (منعقدہ ۳۱/اکتوبر تا ۳/نومبر ۱۹۷۵ء) میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے وائس چانسلر پروفیسر خسرو صاحب کی اس رائے سے کہ مدارسِ اسلامیہ میں سائنس وٹیکنالوجی کی تعلیم کا بھی اجراء ہونا چاہئے، شدومد کے ساتھ اختلاف ظاہر کرتے ہوئے فرمایا:

''جو لوگ ندوہ یا کسی عربی مدرسہ کو ٹیکنیکل کالج یا سائنس لیبارٹری بنا دینا چاہتے ہیں وہ صحیح مشورہ نہیں دے رہے ہیں۔ اگر اس میں یہ علوم ومضامین داخل کئے گئے تو ہمیں جس نوعیت کے علماء کی ضرورت ہے وہ ہم نہ پاسکیں گے، جو خالص علمی زبان میں دوسری لادینی تحریکوں اور ان کی تلبیسات کا رَد کرسکیں اور اسلام کی نصرت واشاعت کا حق ادا کرسکیں۔ کم از کم یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دین کی روح اور دینی علوم کا حصہ ٹیکنالوجی کے ان شعبوں میں لازماً دب کر رہ جائے گا، جو ملت اسلامیہ کے لئے ایک سانحہ کی بات ہوگی۔'' (۱)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے خصوصی تعلق اور علمی رابطہ

''نقل عبارت اور مولانا سمی خلیل اللہ (۲) کے مکالمہ میں جو تعب برداشت فرمایا اس میں دونوں صاحبوں کا شکرگذار ہوں۔ جواباً معروض ہے کہ اس مقدمہ کی زمانہ قریب میں دو مقام پر ضرورت واقع ہوئی۔ ایک بعض غیر مقلدوں کے مقابلہ میں جو عرش کو حادث مان کر استواء علی العرش کو صفت قرار دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس صورت میں استواء حادث ہوگا اور اس کے

(۱) رودادِ چمن ص ۱۹۹، مرتب مولانا محمد الحسنیؒ

(۲) استاذ مرحوم حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند مراد ہیں جو معقولات کے بڑے ماہر عالم تھے۔ ۱۲ محمد شفیع

صفت ہونے کی وجہ سے قیام حادث کا واجب کے ساتھ لازم آئے گا۔
دوسرا مقام بعض مبتدعین مدعیانِ وحدۃ الوجود کے مقابلہ میں جو مسئلہ کی ایک خاص توجیہ میں حوادث کا ربط واجب کے ساتھ تو ایسا مانتے ہیں جیسا صور ذہنیہ کا ربط ذہن کے ساتھ۔ اس میں بھی وہی قیام حوادث کا واجب کے ساتھ لازم آئے گا۔ اور جس مقدمہ کو مولانا ثابت بالدلیل مانتے ہیں مالا یخلوا عن الحوادث فھو حادث اگر یہ مقدمہ دونوں مذکورہ مسئلوں میں کافی ہوجائے تو مقصود حاصل ہے، اس کی تقریر کردی جائے۔ والسلام (۱)

اہل علم کے لطیفے بھی علمی ہوتے ہیں

''حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی دارالعلوم دیوبند میں منطق وفلسفہ کے مشہور استاذ تھے۔ وہ اپنی روزمرہ کی گفتگو میں بھی منطقی اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ ایک دن انھوں نے ایک سبزی فروش سے جس کا نام (اتفاق سے) ''مقصود'' تھا مولی خریدی، اتفاق سے مولی کے پتے لمبے لمبے تھے اور مولی چھوٹی سی تھی۔ آپ نے فرمایا ''او بھائی اس میں مقصود بالذات کم ہے اور مقصود بالعرض زیادہ'' دوکاندار مولانا کے منھ سے یہ الفاظ سن کر لال پیلا ہونے لگا اور اول فول بکنے لگا، دَم کے دَم میں اچھا خاصا مجمع اکٹھا ہوگیا اس سے پوچھا گیا کہ کیوں شور کر رہا ہے؟ اس نے بتایا کہ مولانا نے کہا ہے کہ ''مقصود بدذات ہے'' اسے بڑی مشکل سے سمجھایا گیا کہ مولانا تو اپنی منطقی زبان میں فرمارہے ہیں کہ مولی جو مقصود بالذات ہے وہ کم ہے اور پتے جو کہ مقصود بالعرض ہیں وہ زیادہ ہیں۔'' (۲)

حضرت علامہ سوال کے جواب میں لمبی تقریر کو پسند نہ فرماتے تھے۔ جواب نہایت مختصر اور بلیغ مگر حاوی وشامل ہوتا تھا۔

(۱) مکاتیب حکیم الامت بنام مفتی محمد شفیع صاحب ص ۱۴۹
(۲) حکایتوں کا گلدستہ، از مولانا محمد اسلم شیخوپوری بروایت مولانا محمد سرفراز خاں صفدرؔ

''مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند وممبر مجلس شوریٰ دارالعلوم وحال ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت مولانا سے سوال کیا کہ آج جبکہ جیٹ طیاروں میں سفر ہونے لگے ہیں، اور بالخصوص سریع السیر طیارات کے ذریعہ چاند کی مہم سر کرنے کی سعی جاری ہے۔ یہ طیارے گھنٹوں میں پوری دنیا کے کئی کئی چکر لگا آتے ہیں۔ اگر ایک شخص نے اس مختصر سے عرصہ میں طیارہ میں مثلاً چار پانچ مرتبہ طلوعِ آفتاب اورغروبِ آفتاب دیکھا تو جب کہ شرعی اصول بہ وقت موجب صلوٰۃ ہے، کیا اس ایک گھنٹہ میں مثلاً چار مرتبہ غروبِ آفتاب دیکھ کر نمازِ مغرب بھی چار مرتبہ ادا کرنی ہوگی؟ اصول کا تقاضہ تو یہی ہے جبکہ وقت ہی موجب صلوٰۃ ہے۔ مولانا موصوف کا بیان ہے کہ حضرت مرحوم نے جواب میں دو جملے ارشاد فرمائے:

''مولوی صاحب بے شک وقت موجب ہے، مگر طلوع وغروب وقت نہیں ہے علاماتِ وقت میں سے ہے، علامت موجب نہیں وقت موجب ہے۔ اس لئے اگر علامتیں متعدد ہوجائیں تو وقت کا متعدد ہونا ضروری نہیں ہے کہ وقت غروب نمازیں متعدد ہوں۔''

موصوف فرماتے تھے کہ وقت اور علامت کے اس جملہ سے مجھ پر اس بارے میں علم کا ایک دروازہ کھل گیا اور تمام شبہات جو ذہن نے پکار رکھے تھے اک دم کافور ہوگئے۔(۱)

زہد وقناعت

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالنپوری محدث دارالعلوم دیوبند نے رابطہ مدارسِ عربیہ اسلامیہ کے اجتماع (منعقدہ ۵رصفر ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۲رجون ۱۹۹۷ء) میں بعد ظہر دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث تحتانی میں اساتذہ و

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۱، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

طلبۂ دارالعلوم اور ملک بھر سے آئے ہوئے ذمہ دارانِ مدارس اور مندبین حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

دوسال تک حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی کے گھر کا سامان میں ہی لاتا تھا، عام طور پر ماہ کے آخر میں بیس پچیس تاریخ کو یہ حال ہوتا تھا کہ علامہ کے گھر میں ایک پیسہ نہ بچتا تھا، آخر کار میں سودا اُدھار لاتا تھا اور تنخواہ ملنے پر میں ہی وہ رقم دوکاندار کو ادا کر کے آیا کرتا تھا۔ دوسال یہ معمول دیکھ کر مجھ پر یہ اثر پڑا کہ پیسہ کی وقعت میرے دل سے نکل گئی اور یہ خیال جاں گزیں ہوگیا کہ جب اتنے بڑے حضرت اور دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس کے یہاں یہ حال ہے تو ہماری حیثیت ہی کیا ہے؟ لہٰذا ہمیں بھی ان سب حالات کے لئے تیار رہنا چاہئے اور ہر حال میں دین کا کام کرتے رہنا چاہئے۔ دنیا کا وقت تو کسی نہ کسی طرح گذر ہی جاتا ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے اس بیان کردہ اس واقعہ سے جہاں اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ حضرت علامہ کو روپے پیسے سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اور وہ ہر حال میں شاکر وصابر رہتے تھے، وہیں یہ پہلو بھی قابل توجہ ہے کہ بڑوں کی صحبت اثر کئے بغیر نہیں رہتی، جیسا کہ حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ ان کی یہ حالت دیکھ کر میرے دل سے روپے پیسے کی وقعت ومحبت نکل گئی۔

صاحبِ ہدایہ کی ایک خصوصیت

ایک مرتبہ صاحب ہدایہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت شاہ صاحب علامہ کشمیریؒ فرمارہے تھے کہ میں ہر کتاب کے مخصوص طرز پر کچھ نہ کچھ لکھ سکتا ہوں بجز ہدایہ، گلستاں اور بخاری کے، اس پر علامہ بلیاوی نے اپنے مذاق کے لحاظ سے صاحبِ ہدایہ کی ایک خصوصیت کی طرف حضرت شاہ صاحب کی توجہ مبذول کرائی، فرمایا:

''صغریٰ یا کبریٰ میں سے معیّن طور پر کسی ایک مقدمہ سے نتیجہ کا خصوصی تعلق ہونا علم الحقائق کی معرفت تامہ کے بغیر ممکن نہیں، صاحب ہدایہ کا کمال یہ ہے کہ فی الواقع نتیجہ کا خصوصی تعلق صغریٰ یا کبریٰ میں سے جس کے ساتھ ہوتا ہے وہ اس کو ذکر کر جاتے ہیں۔''

حضرت شاہ صاحب نے اس خصوصیت کو بہت پسند کیا اور علامہ کی تصویب کی۔(۱)

رویتِ باری تعالیٰ

ایک مرتبہ رویتِ باری تعالیٰ کے مسئلے میں معتزلہ اور اہل سنت والجماعت کا اختلاف زیر بحث تھا کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کے مطابق مرنے کے بعد اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوگا، جب کہ معتزلہ اس کے منکر ہیں۔ اس پر علامہ نے ظریفانہ انداز میں فرمایا:

''میرے خیال میں یہ اختلاف فی الواقع اختلاف نہیں ہے۔ معتزلہ بھی حق پر ہیں اور اہل سنت والجماعت بھی ۔ کیونکہ معتزلہ کو دیدارِ باری نصیب نہیں ہوگا اور اہل سنت والجماعت کو نصیب ہوگا۔''(۲)

فاضلانہ اخلاق

علامہ کے اخلاق بڑے کریمانہ تھے۔ خوش اخلاقی سے ہر کس وناکس سے پیش آتے۔ غریب پرور اور محبت ومروت کے انسان تھے۔ نادار اور غریب طلباء کے لئے بڑا سہارا تھے، ان کی سہولیات کا بڑا لحاظ رکھتے، حلیم و بردبار تھے۔ غصہ بہت کم ہوتے، ظرافت بھری باتیں زیادہ رہتیں۔ صفائی ستھرائی ان کا خاص وصف تھا۔ اپنے ہاتھوں بہت کام کر لیتے، پھر بھی دو ایک طالب علم ان کی خدمت کے لئے رہتے تھے۔ روپے پیسے کی علامہ کے

(۱) ازمولانا محمد نعیم صاحب، ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۲ء ص ۱۴

(۲) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۰، ازمولانا محمد عزیر صاحب

نزدیک کوئی اہمیت نہ تھی۔ تنخواہ کا پیسہ سب خرچ کر دیتے۔ گھر والوں کو دینے کے بعد کبھی یہ نہ سوچتے کہ کچھ پس پشت رہے۔ فراخ دلی ہی نہیں بلکہ دریا دلی ان میں تھی۔ مہمان نوازی ان کی گھٹی میں تھی۔ ان سے ملنے کے لئے آنے والوں کی کمی نہ تھی۔ ملاقاتیوں کی چائے وغیرہ سے تواضع کرتے اور کھانے کے وقت ہمراہ کھلاتے۔ دستر خوان پر اکثر مہمان رہتے، کتب خانہ امدادیہ کے مختار صاحب کے والد کو دفتری صاحب کہا جاتا تھا، یہ اکثر اپنا کھانا لا کر علامہ کے ساتھ کھاتے۔ انہی کی کتب خانہ سے علامہ کا سلم العلوم کا حاشیہ ضیاء النجوم چھپ کر مقبول عام ہوا۔ شیخ الادب مولانا اعزاز علیؒ اور شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ بھی اکثر ان سے ملنے کے لئے ان کے کمرے میں آتے اور ہر طرح کے موضوع پر گفتگو ہوتی۔ مہتمم صاحب (حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ) بھی وقتاً فوقتاً علامہ کے کمرے میں آتے اور ان کی ہر سہولت کا خیال رکھتے۔"(۱)

صحت وتندرستی

"علامہ بلیاوی کی صحت بہت اچھی تھی۔ پہلے کے لوگ جیسے قد آور ہوتے تھے ویسے ہی قد آور اور لحیم شحیم تھے۔ ورزشی جسم تھا اس لئے ہمیشہ صحت مند رہتے۔ بڑھاپے میں بھی قوی الجثہ افغانی طلباء (جن میں گل شیر خاں گلگتوی کا نام مجھے اب بھی یاد ہے) کی طرف اشارہ کر کے مزاحیہ انداز میں فرماتے کہ میں ان سب افغانیوں کا پنجہ مروڑ دوں گا، اور یہ طلباء غایتِ ادب سے ہنس کر خاموش ہو جاتے اور اعتراف کرتے کہ واقعی حضرت اتنے قوی ہیں کہ مروڑ سکتے ہیں۔"(۲)

(۱) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۱، از مولانا محمد عزیر صاحب

(۲) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۱، ۵۲، از مولانا محمد عزیر صاحب

لباس

لباس میں پائجامہ، کرتا اور ٹوپی پہنتے۔ عموماً سب چیزیں موٹے کپڑے یعنی گاڑھے کی ہوتیں۔ کرتا لمبا موافق سنت ہوتا۔ صافہ بھی باندھتے۔ ہاتھ میں چھڑی لے کر کمرے سے اترتے اور دارالحدیث جاتے۔"(۱)

اندازِ تحریر

دستخط میں ہمیشہ "محمد ابراہیم عفی عنہ" لکھتے۔ رائٹنگ بہت پختہ تھی۔ ان کے حروف چھوٹے اور اپنی نوعیت کے منفرد حروف تھے۔ اس طرح کے حروف ہم نے کسی کے نہیں دیکھے۔ (۲)

حافظ صاحب

جب حافظ ابن حجر کا حوالہ دیتے تھے تو فرماتے تھے:

"مولوی صاحب! حافظ صاحب نے کہا ہے، پھر فرماتے کہ حافظ جی وہ ہوتے ہیں جو میانجی ہوں یا آنکھ سے محروم ہوں مگر حافظ صاحب ابن حجر عسقلانی کے لئے استعمال کرتا ہوں۔" (۳)

مجلس کا ایک رنگ

"ہم لوگ ان کی مجلس میں بیٹھ کر باہم اگر کسی مسئلہ پر تفریحی گفتگو ہی کرتے اور بعض اوقات وہ مزاح وخوش طبعی کا رنگ اختیار کر لیتی تو روکنے کے بجائے اسے غور سے سنتے اور جس کی بات کچھ غالب نظر آتی اس کی تائید کر کے اسے داد دیتے تھے، اور پھر اس کے بارے میں اپنی تحقیق یا اپنے اکابر کی تحقیق کا ذکر فرما کر اس تفریحی بات کو بھی علمی بنا دیتے تھے۔

اگر تلامذہ میں سے کسی فاضل نے جو اپنے مقام پر مدرسی کے عہدہ پر بھی

(۱) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم اگست ۱۹۹۷ء ص ۵۲، از مولانا محمد عزیر صاحب (۲) ایضاً

(۳) ماہنامہ ترجمانِ دارالعلوم جولائی ۱۹۹۹ء ص ۵۷، از مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی

ہوتا، اگر کوئی چلی ہوئی بھی کہتا تو بے تکلفی اور محبانہ انداز میں اسے 'ارے بدھو' کہہ کر اسکے کلام کا تجزیہ فرماتے اور اسکی بلادت اور بے خبری پر اُسے بہت ہی مزاحی انداز میں مطلع فرما دیتے، جو حقائق بیانی سے بھی زیادہ علمی دلچسپی لئے ہوئے ہوتا تھا اور علمی مجلس ایک دفعہ کو تفریحی مجلس بن جاتی۔'' (۱)

احترامِ نسبت وخورد نوازی

''علوم وفنون دینیہ میں آپ کا امتیازی مقام جس سے دارالعلوم کے تمام اساتذہ آپ کے شاگرد یا شاگردانِ شاگرد ہیں، جو زمانہ تدریس میں بھی ان سے مستفید ہوتے رہتے، عصر سے مغرب تک اپنے مکان پر نشست فرماتے تھے اور اساتذہ کی ایک تعداد نوبت بنوبت حاضر ہوتی رہتی تھی۔ یہ احقر بھی حضرتِ مرحوم کے تلامذہ میں سے ہونے کا فخر رکھتا ہے، میں نے سلم، ملا حسن، مرقاۃ اور بعض اور کتابیں حضرت مرحوم ہی سے پڑھیں، میری طالب علمی کے زمانہ ہی سے آپ کو مجھ سے ایک خاص بزرگانہ لگاؤ اور ربط وتعلق تھا۔ نسبتوں کا احترام جزونفس تھا۔ ابتدائے طالب علمی میں ہی جب کبھی میں مکان پر حاضر ہوا تو معاملہ ایسا فرماتے جیسے ان کا کوئی مخدوم آ گیا ہے، اور یہ تقریباً لازم سا تھا کہ میرے حاضر ہونے پر کوئی نہ کوئی کھانے پینے کی چیز ضرور لا کر رکھتے۔ طالب علمی کے دور کے ختم ہونے پر جب میں ان کی مجلس میں روزانہ حاضر ہونے لگا اور تقریباً ۲۰-۲۵ سالہ میرا یہ معمول تھا کہ میں عصر مغرب کے درمیان ان کی خدمت اور مجلس میں حاضر رہتا تھا، تو انہوں نے اب بھی وہی سلسلۂ خورد ونوش جاری رکھنے کا پرداز ڈالا، تو میں نے ادب سے عرض کیا کہ یہ میری روزانہ کی حاضری ہے، میری مؤدبانہ درخواست ہے کہ اس سلسلہ کی پابندی کو ختم فرما دیا جائے، جناب پر تو یہ پابندی ہرگز بھاری نہ ہوگی مگر مجھے ضرور بھاری محسوس ہوگی۔ اس پر یہ

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

پابندی تو ختم فرمادی لیکن یہ سلسلہ کسی نہ کسی حد تک پھر بھی قائم رکھا کہ میں کسی لمبے سفر سے واپس آتا، یا کبھی کبھی اس کے بغیر بھی اپنے دلی امنگ کے ساتھ اس مجلس کو مجلس خورد ونوش بنادیتے تھے، جس میں سارے حاضرین شریک رہتے تھے۔ دل نہایت وسیع پایا تھا۔ کھلا کر خوش ہوتے تھے اور اس کے موقعے تلاش فرماتے رہتے تھے۔ اس ذیل میں علمی مسائل پر گفتگو بھی ہوتی، عادت یہ تھی کہ اگر میں نے یا کسی نے کوئی علمی سوال اٹھایا تو نہ صرف یہ کہ زبانی اس کی تحقیق فرماتے بلکہ اسی وقت کتابیں اپنے کتب خانہ سے منگا کر حوالہ بھی دکھلا دیتے تھے جس سے سائلین کے علم میں مزید بصیرت پیدا ہوجاتی تھی۔'' (۱)

رفع عیسیٰ علیہ السلام

رفع عیسیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا مسئلہ چل رہا تھا۔ ایک طالب علم نے کہا حضرت یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کیسے اٹھالیا گیا اور اس کی صورت کیا ہوئی۔ فرمایا:

''حضرت آدم علیہ السلام کا دنیا میں تشریف لانا سمجھ میں آتا ہے؟ کہا ہاں! فرمایا تو جس سیڑھی سے حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے تھے، اسی سیڑھی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اٹھالئے گئے۔ اس میں کیا استحالہ ہے۔'' (۲)

خلفائے راشدین کے مقام ومرتبہ پر ایک عمدہ مثال

''جو لوگ پہلے انبیاء پر ایمان لائے اور انہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانے کی دولت نصیب ہوئی ''الحدیث'' پر تقریر فرمارہے تھے۔ ایک طالب علم نے سوال کیا۔ حضرت! تو اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن سلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لائے اور

(۱) ماہنامہ دار العلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۰، ۳۱، از مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ

(۲) ماہنامہ دار العلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۸، از مولانا صادق علی صاحب بستوی

انہیں حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانے کا موقع نصیب ہوا۔ فرمایا:

مولوی صاحب! ایک مرتبہ ختم بخاری کے سلسلہ میں یہاں لڈو تقسیم ہو رہے تھے۔ مدرسین کو سولہ مل رہے تھے اور طلباء کو چار چار۔ ایک طالب علم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر آٹھ لے لئے۔ تو مولوی صاحب! مدرسین کو ایک مرتبہ میں سولہ ملے اور طالب علم کو دو مرتبہ میں آٹھ، بہرصورت اس کا حصہ دو مرتبہ لینے کے باوجود مدرسین سے آگے نہ بڑھ سکا۔ یہی حال حضرت عبداللہ بن سلام اور خلفائے راشدین کے مراتب کا بھی ہے۔ وہ دوہرا ثواب حاصل کرنے کے باوجود بھی خلفائے راشدین سے کبھی بھی نہ بڑھ سکیں گے۔ اللہ اللہ! کیا علم تھا اور کیا شان تھی کہ اتنے اہم سوال کو انھوں نے ایک معمولی سی مثال سے چٹکیوں میں حل فرمایا۔" (۱)

نیک لوگوں کے قریب دفن ہونے کا فائدہ

"ایک دن حضرت علامہؒ کے دولت کدہ پر حاضری کا موقع ملا۔ مولوی عباس علی صاحب بستوی بھی میرے ہمراہ تھے۔ حضرت علامہ آرام فرما رہے تھے۔ میں نے سر پر تیل ملنا شروع کیا۔ گرمی کا موسم تھا مولوی عباس علی صاحب پنکھا جھلنے لگے۔ مولوی عباس علی صاحب نے سوال کیا حضرت! جو لوگ یہ وصیت کر جاتے ہیں کہ مرنے کے بعد مجھے فلاں بزرگ کے بغل میں دفن کیا جائے، تو کیا اس سے کوئی فائدہ حاصل ہوتا ہے؟ فرمایا تم پنکھا کس کو جھل رہے ہو؟ کہا حضرت آپ کو۔ مجھ سے فرمایا! صادق تمہیں بھی ہوا لگ رہی ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! فرمایا یہی حال اس کا بھی ہوتا ہے، جب اس بزرگ پر اللہ کا فضل و کرم ہوگا تو اس بغل والے کو بھی اس کی ہوا ضرور لگے گی۔" (۲)

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۸، ۳۹، از مولانا صادق علی صاحب بستوی (۲) ایضاً ص ۳۹

شبِ معراج کا تحفہ

''مسئلہ معراج پر تقریر جاری تھی۔ فرمایا جس وقت حضور پرنور (فداہ ابی وامی) کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کا شرف معراج کی رات حاصل ہوا۔ واپسی کے وقت پچاس نمازوں کا ہدیہ ملا۔ راستے میں حضرت موسیٰ سے ملاقات ہوئی۔ فرمایا کیا ملا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پچاس وقت کی نمازیں۔ حضرت موسیٰ نے کہا میری امت باوجود قوی ہونے کے دو وقت کی نمازوں کی پابندی نہ کرسکی، تو آپ کی امت پچاس وقت کی نمازوں پر کس طرح پابندی کرسکے گی۔ واپس جایئے اور انھیں کم کرایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور پانچ وقت کی تخفیف ہوگئی۔ واپسی میں پھر موسیٰ علیہ السلام نے ٹوکا۔ آپ پھر واپس تشریف لے گئے اور پھر پانچ کی تخفیف ہوگئی۔ اس طرح نو مرتبہ ہوا۔ جب صرف پانچ رہ گئیں اور موسیٰ علیہ السلام نے پھر ٹوکا، تو آپ نے فرمایا کہ اب مجھے جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ علامہ نے فرمایا شراح نے لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد یہ تھا کہ میں نو مرتبہ آیا گیا، اب مجھے خدا کے حضور جاتے ہوئے شرم آتی ہے۔ مگر مولوی صاحب! تمہیں بتاؤ، کیا کسی محبّ کو اپنے محبوب کے پاس جاتے ہوئے شرم آتی ہے، یا وہ ملنے کے لئے مختلف بہانے ڈھونڈتا ہے۔ فرمایا بات دراصل یہ نہیں تھی، آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں نو مرتبہ گیا ہوں اگر اب گیا تو غالب گمان یہی ہے کہ یہ پانچ وقت کی نمازیں بھی چھن جائیں گی تو مجھے امت کے پاس خالی ہاتھ جانا پڑے گا۔ اگر امت مجھ سے تحفہ طلب کرے گی تو کیا جواب دوں گا، اس لئے امت کے پاس خالی ہاتھ جاتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ معلوم ہوا کہ ''شرم'' کا تعلق خدا سے نہیں، امت سے تھا۔''(۱)

---

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۹، از مولانا صادق علی صاحب بستوی

خضر شخصیت ہیں یا عہدہ

''فرمایا 'خضر' ولایت کا غوث، قطب، ابدال کی طرح ایک عہدہ اور درجہ ہے جو ہمیشہ افراد میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس لئے خضر آج بھی ہیں، لیکن وہ نہیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانۂ نبوت میں تھے۔ جس وقت یہ مسئلہ حضرت شیخ مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں آیا۔ فرمایا خضر آج بھی وہی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے 'خضر' زندہ جاوید ہیں۔

دوسرے روز مسلم شریف کے سبق میں ایک طالب علم نے سوال کیا حضرت! بعض حضرات بتاتے ہیں کہ خضر آج بھی وہی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ فرمایا کون کہتا ہے؟ طالب علم نے کہا، بعض حضرات کہتے ہیں (اس نے حضرت شیخ کا نام نہیں لیا) فرمایا جو لوگ بھی ایسا کہتے ہیں، یہ ان کی اپنی ذاتی رائے ہے۔'' (۱)

محرم کے برّی شکار کرنے پر دَم واجب ہونے کی وجہ

''فرمایا محرم جب برّی شکار کرتا ہے تو اس پر دَم واجب ہوتا ہے اور جب بحری شکار کرتا ہے تو دَم واجب نہیں ہوتا۔ جانتے ہو اس کا فلسفہ؟ پھر فرمایا: برّی شکار کرنیوالے میں انانیت ہوتی ہے اور بحری شکار کرنے والے میں شکستگی اور انکساری، یہی وجہ ہے کہ اس پر دَم ہے اور اِس پر نہیں۔'' (۲)

درود شریف پڑھنے پر سجدۂ سہو واجب ہونے کی ایک حکمت

''فرمایا حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ابوحنیفہ! اگر کوئی قعدۂ اولیٰ میں مجھ پر درود شریف پڑھتا ہے تو تم اس پر سجدۂ سہو واجب کرتے ہو۔ امام

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۳۹، از مولانا صادق علی صاحب بستوی (۲) ایضاً ص ۳۹، ۴۰

صاحبؒ نے فرمایا ہاں! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیوں؟ کہا حضور! آپ سے اسی طرح ثابت ہے۔ علامہ نے فرمایا:

''مولوی صاحب! ایک جواب امام صاحبؒ نے اور بھی دیا اور وہی اصل جواب تھا۔ امام صاحبؒ نے فرمایا حضور! چونکہ وہ آپ پر بھول کے درود پڑھتا ہے، اس پر بطور سزا سجدۂ سہو واجب کرتے ہیں۔''(۱)

تاکہ سند رہے.........

یہ دیکھ کر نہایت حیرت آمیز کلفت اور کلفت آمیز حیرت ہوتی ہے کہ بعض حضرات اپنے تحریری شہ پارے تاریخ کے دامن میں بھرنے سے قبل حزم واحتیاط اور جانچ پڑتال کے اس معیار کو ملحوظ نہیں رکھتے جو اس میدان کا حصہ ہے، انجام کار بعض مرتبہ ان کے اس عمل سے تاریخ میں تلبیس، اس کی روانی میں خلل اور اس کی معتبریت مجروح ہو جاتی ہے۔ ''تاویلات'' کے دروازے ان کیلئے بند ہو جاتے ہیں تو بشری خواص میں اول ظہور پذیر لغزش (نسیان) بھی اس با وزن دلیل کے ساتھ ان کی پشت پناہی سے انکار کر دیتی ہے کہ اس کا عمل دخل مستند تحریرات اور مسلم تاریخی ایوانوں سے باہر ہے، نیز اس کی یہ کنارہ کشی رعایت اور ہمدردی ہے، چونکہ اگر وہ اس ذمہ داری کو اپنے سر لینے پر آمادہ ہو جائے تو اس کے بقول مستند اہل قلم کی مخصوص شان اور مکمل تاریخوں کے ''سچے ماضی'' ہونے پر سوالیہ نشان لگ سکتا ہے، اس لئے وہ اس جھگڑے میں فریق بننے پر ہر گز آمادہ نہیں، لہٰذا اب تمام تر ذمہ داری اصحابِ قلم کے سر جاتی ہے، البتہ ایسے حضرات کو علم وتحقیق کے میدانوں میں ایک خاص ''امتیازی حیثیت'' ضرور حاصل ہو جاتی ہے۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۸ء ص ۴۰، از مولانا صادق علی صاحب بستوی

تاریخ دارالعلوم اور اس کے تاریخ نویس حضرات میں بھی ایسے افراد پائے جاتے ہیں جنھوں نے حزم واحتیاط کے اس اعلیٰ معیار کی پاسداری نہیں کی جس کی ضرورت تھی۔ یہاں اس امر کا اظہار بھی ہو جائے تو کچھ حرج نہیں کہ سہو ضروری نہیں کہ قصورِ علم اور قلت معلومات ہی کی بناء پر ہو، کبھی کبھی وفورِ علم بھی اس کا سبب بن جاتا ہے، نیز نقد وجرح کاوش پر ہے نہ کہ صاحبِ کاوش پر، چونکہ اہل علم اور خصوصاً مرحوم اہل علم کا ادب واحترام ضروری ہے۔

علامہ بلیاوی کو نظر انداز کیے جانے کا سلسلہ کافی طویل اور حیرت انگیز ہے، اس سے پہلے بھی بعض مقامات پر اس طرح کی فروگذاشتوں کی نشاندہی کی جاچکی۔

جناب مولانا سید محبوب رضوی اپنی ایک اہم تصنیف ''تاریخ دیوبند'' (جو علامہ بلیاوی کے وصال کے تقریباً چار سال بعد لکھی گئی ہے) میں دارالعلوم دیوبند کے ''صدر مدرسین'' کا ذکر خیر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ سے شروع کرنے اور حضرت مولانا سید احمد دہلوی، حضرت شیخ الہند، حضرت علامہ کشمیری اور حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں:

> ''۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا مدنی کی وفات کے بعد دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ارکان نے دارالعلوم دیوبند کے لئے آپ (مولانا سید فخر الدین احمد صاحبؒ) کا انتخاب کیا۔ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ حضرت مولانا مدنی کی گرفتاری اور رخصت کے زمانے میں آپ دارالعلوم میں صحیح بخاری کا درس دے چکے تھے۔''(۱)

اگر یہاں پر یہ کہا جائے کہ انھوں نے حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ کا بحیثیت شیخ الحدیث ذکر کیا ہے، تو اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں، اول یہ کہ یہ تذکرہ ''صدر مدرسین'' عنوان کے تحت ہوا ہے، اور دوسرے یہ کہ اس مقام پر علامہ بلیاوی کا کسی بھی حیثیت سے کوئی تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔

---

(۱) تاریخ دیوبند ص ۴۷۶

حضرت مولانا سید ازہر شاہ قیصر نے ماہنامہ الرشید لاہور کے دارالعلوم نمبر کے لئے ایک مضمون تحریر فرمایا جس میں ''دارالعلوم دیوبند کی صدارتِ تدریس'' عنوان کے تحت لکھا ہے کہ:

''حضرت مدنی کے بعد صدر مدرسی کے لئے حضرت مولانا فخرالدین رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب ہوا، اور مرحوم نے سات آٹھ سال بڑی کامیابی کے ساتھ دارالعلوم میں بخاری شریف کا درس دیا۔ اب مولانا فخرالدین صاحب کے بعد ضابطہ کے صدر مدرس مولانا فخرالحسن صاحب اور مولانا شریف حسن صاحب دیوبندی بخاری شریف پڑھاتے ہیں۔''(۱)

اس سلسلہ کو اگر آگے بڑھایا جائے تو یہ تاریخی موقع سامنے آتا ہے۔

علامہ سید عبدالحیؒ حسنی (والد محترم حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ) کی ''نزہۃ الخواطر'' ایک شاہکار تصنیف اور علمائے ہند کے حالات پر ایک بے مثال تاریخی دستاویز ہے۔ سات جلدیں آنموصوف کے حکمت ریز، مؤرخانہ اور انشا پرداز قلم سے پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھیں، بعدہٗ ان کے لائق فرزند، ہندوستان نژاد عربی ادیب ومؤرخ، علامہ بلیاوی کے ہم استاذ، علمائے عرب میں صدر نشیں، مفکر اسلام اور عالم عرب میں علمائے ہند کی آبرو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے علمی حلقوں کے اصرار پر آٹھویں جلد کی تکمیل کا بیڑا اٹھایا، انھوں نے دارالعلوم دیوبند میں بھی ایک تحریر بھیجی کہ حلقۂ دیوبند کی مشہور شخصیات اور قابل ذکر علماء کے حالات ان کو بھیج دیئے جائیں تا کہ وہ زیر ترتیب جلد میں شامل ہوسکیں، چنانچہ دارالعلوم کی طرف سے بعض حضرات کے حالات روانہ بھی کئے گئے جس کا تذکرہ سالانہ رپورٹ کی ایک روداد میں ان الفاظ میں موجود ہے:

''اسی طرح مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد کیلئے جو اسی صدی کے مشاہیر کے حالات پر مشتمل ہے اور دائرۃ المعارف

(۱) ماہنامہ الرشید لاہور کا دارالعلوم نمبر

حیدر آباد سے شائع ہو رہی ہے، مولانا ندوی کی طلب پر دیوبند اور علمائے دیوبند کے حالات وسنین وفات لکھ کر بھیجے گئے۔''(۱)

افسوس کہ نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں علامہ بلیاوی کا تذکرہ موجود نہیں ہے، کیا علامہ بلیاوی دارالعلوم کے مشاہیر کی صف میں جگہ نہ پا سکے۔

یہاں بھی شاید کوئی حیلہ سازی کارگر ہو جائے مگر اتمامِ حجت اور ثبوتِ مدعا کے لئے میں اس قبیل کا ایک اور تاریخی وثیقہ ثبت کرتا چلوں جو اگر چہ حضرت علامہ بلیاوی کے بارے میں تو نہیں ہے مگر اس بات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے کہ ہمارے یہاں کے تاریخ نویس حضرات غفلت وتساہل کا شکار ضرور ہیں۔

تاریخ دارالعلوم دیوبند میں ایک جگہ لکھا ہے:

''۱۳۸۷ھ میں حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی کی وفات کے بعد آپ (مولانا سید فخر الحسن صاحب) کو دارالعلوم کا صدر المدرسین بنایا گیا، جس پر آپ اب تک فائز ہیں۔''(۲)

اس تحریر کو بعینہٖ صفحہ ۲۲۰ پر بھی دوہرایا گیا ہے۔

ایک جگہ رقم ہے:

''حضرت علامہ بلیاوی کی وفات کے بعد منصبِ صدارتِ تدریس حضرت مولانا فخر الدین احمد کو تفویض کر دیا گیا۔''(۳)

ایک مقام پر یہ عبارت ہے:

''مولانا فخر الحسن صاحب کو ۱۳۹۳ھ میں صدر مدرس بنایا گیا حضرت مولانا فخر الدین کی وفات کے بعد۔''(۴)

اب جس کو صحیح واقفیت نہ ہو وہ ان مقامات کی عبارت پڑھنے کے بعد یہ فیصلہ کرنے میں یقیناً تذبذب کا شکار ہو جائے گا کہ علامہ بلیاوی کے بعد کون صاحب

(۱) روداد سالانہ ۱۳۸۸ھ ص ۳، سالانہ رپورٹ (۲) تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۱۶۲۔

(۳) تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۲۱۲ (۴) تاریخ دارالعلوم دیوبند ج ۲ ص ۴۵۵

دارالعلوم کے صدر مدرس بنے۔ یا یہ کہ مولانا فخر الحسن ۱۳۸۷ھ میں دارالعلوم کے صدر مدرس بنے یا ۱۳۹۳ھ میں؟

اس طرح کے تسامحات اور فروگذاشتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخ دارالعلوم دیوبند پر نظر ثانی کی ضرورت ہے۔ اور اس بات کو نہ صرف علمی حلقوں بلکہ ذمہ دارانِ دارالعلوم نے بھی محسوس کیا ہے اور اس کے متعلق ایک ایجنڈا مجلس شوریٰ میں بھی لایا جا چکا ہے۔ ماہنامہ دارالعلوم کے ایک شمارہ میں اس کی وضاحت ہے:

''تاریخ دارالعلوم سے متعلق شوریٰ ہدایت کرتی ہے کہ اس پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی مدیر رسالہ دارالعلوم نظر ڈالیں اور مولانا قاضی زین العابدین صاحب رکن شوریٰ کی سرپرستی اور مشورہ سے اسکی فروگذاشتوں کو مرتب کریں، اگر ہوں تو مجلس شوریٰ کے سامنے پیش کریں۔

(تجویز مجلس شوریٰ منعقدہ ۱۹/۲۰/۲۱/شعبان ۱۴۰۶ھ)(۱)

شوریٰ کی اس ہدایت پر عمل ہوا یا نہیں، یا شوریٰ نے اپنی اس تجویز کو واپس لے لیا یا کیا ہوا، اس کا صحیح جواب تو مجلس شوریٰ یا جناب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ہی دے سکتے ہیں۔ لیکن میں نے جو عبارات اوپر نقل کی ہیں وہ تاریخ دارالعلوم کے نئے ایڈیشن میں بھی موجود ہیں۔ البتہ جدید اور قدیم ایڈیشن میں ایک فرق ضرور دکھائی دیتا ہے کہ مقدمہ میں مقدمہ نویس (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ) کے نام کے ساتھ پہلے ''مہتمم دارالعلوم دیوبند'' تھا تو اب کی بار یعنی ۱۹۹۳ء والے ایڈیشن میں ''سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند'' درج ہے۔ اور ''مصلح وتصحیح کنندہ'' کی قابلیت کی داد دیجئے کہ مقدمہ کے آخر میں جہاں ''محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند ۵/ربیع الاول ۱۳۹۸ھ'' لکھا ہوا ہے اس جگہ بھی انھوں نے ''سابق'' لکھنا نہیں بھولا، بہت خوب! یعنی مذکورہ تاریخ میں ہی وہ سابق ہو چکے تھے۔ چلئے جدید ایڈیشن میں کچھ نہ کچھ تو اصلاح کا عمل انجام پایا۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم ماہ جون ۱۹۸۶ء

بابِ پنجم

مآثر و معارف

تصنیفات: آپ کی تصانیف کے متعلق جو تفصیل حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی مدظلہ العالی نے اپنے مضمون ''علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی'' میں تحریر کی ہے اسی کو نقل کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

❖ سب سے اول آپ نے غیر مقلدوں کے رد میں اردو کا ایک رسالہ ''مصافحہ'' اور دوسرا ''تراویح'' تحریر فرمایا، اسی طرح فارسی زبان میں ایک علمی رسالہ ''انوار الحکمۃ'' کے نام سے ارقام فرمایا جس کے ابواب بطرزِ شفا ابن سینا، لفظ نور سے معنون کئے گئے۔ یہ رسالہ منطق و فلسفہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔ مولوی محمد اویس رحیم پوری (دربھنگوی) رسالہ کے املاء کی علت غایت تھے۔

❖ سلّم جیسے بلند پایہ اور ادق معیاری متن پر ''ضیاء النجوم'' نامی ایک بہترین شاہکار عربی زبان میں قلم بند فرمایا جو ایک سے زائد مرتبہ زیورِ طبع سے مزین ہو چکا ہے۔ یہ چاروں تصنیفات طبع ہو چکی ہیں۔

❖ میبذی اور خیالی جیسی معرکۃ الآراء کتابوں پر حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں عربی حواشی ارقام فرمائے، میبذی کے مبسوط حواشی کی ضخامت ''عین القضاۃ'' سے بھی زیادہ ہوگئی تھی، حضرت شاہ صاحب کی اصلاحی نظر انور سے جب یہ حواشی گذرے تو فرمایا کہ ارسطو کو بھی یہ باتیں نہ سوجھی ہوں گی جو اس میں قلمبند ہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی نائب مدیر دار العلوم کا ارادہ ان حواشی کی اشاعت کا تھا، لیکن افسوس مسودات کا یہ نایاب علمی ذخیرہ سیلاب اور بارش کی نذر ہو گیا اور تشنگانِ علوم اس کی سیرابی سے محروم رہ گئے، تاہم حواشیٔ میبذی کا کچھ حصہ شاید باقی ہو جو نظر انور سے گذر چکا ہے۔

❖ ترمذی شریف کے حواشی آج کل زیر تالیف ہیں، بارہ سو صفحات پر یہ سلسلہ پھیل چکا ہے جس میں تمام احکام کی احادیث وابواب آ گئے ہیں، صرف غیر احکام کا حصہ باقی ہے جو اتنا اہم نہیں ہے۔'' (۱)

یہ مضمون مولانا محمد نعیم صاحب مدظلہ العالی نے حضرت علامہ کی حیات ہی میں تحریر کیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جملہ احوال کی تحقیق وتصدیق خود صاحبِ حالات سے کی ہوگی۔ جن مطبوعہ کتابوں کا فاضل مضمون نگار نے ذکر کیا ہے ان میں سے اب صرف ''ضیاء النجوم'' ہی دستیاب ہے اور وہ بھی دارالعلوم دیوبند کے اس مخصوص کمرے کی زینت ہے جس میں اکابر دارالعلوم دیوبند کی تصنیفات محفوظ ہیں۔ گویا بازار سے یہ بھی غائب ہے۔

جن حواشئ میبذی کے باقی رہ جانے کا ذکر کیا ہے اہل خانہ و متعلقین کو ان کے بارے میں بھی کسی طرح کا علم نہیں ہے۔

❖ اس کے علاوہ بہت سے حضرات کے پاس حضرت علامہ بلیاویؒ کے درسی افادات خصوصاً مسلم شریف کی درسی تقریریں موجود ہیں۔ اگر انکی اشاعت ہو جائے تو علمی دنیا کیلئے بڑا ذخیرہ ہو۔ مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی مدظلہم نے اپنی تالیف ''تفہیم المسلم شرح مسلم'' میں لکھا ہے کہ انہوں نے حضرت علامہ بلیاوی کی مسلم شریف کی جمع کردہ درسی تقریروں سے اس شرح کی ترتیب میں بھرپور استفادہ کیا ہے۔

❖ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے شیخ الحدیث مولانا ضیاء الحسن صاحبؒ کی وفات کے بعد جب ان کے ذاتی کتب خانہ کو دیکھا گیا تو اس میں حضرت علامہ بلیاوی کی مسلم شریف کی درسی تقاریر کی ایک کاپی بھی ملی جو قدیم فل اسکیپ سائز کے دوسو اکتالیس (۲۴۱) صفحات پر مشتمل ہے۔ (۲)

اگر ان علمی نوادرات کی اشاعت ہو جائے تو علم حدیث میں مشغول حضرات کے لئے گنج گرانمایہ ثابت ہو۔

(۱) ماہنامہ دارالعلوم فروری ۱۹۶۲ء (۲) ماہنامہ الفرقان فروری ۱۹۸۹ء

❖ اب صرف ایک تالیف باقی رہتی ہے، ترمذی شریف کی شرح۔اس وقیع تالیف کے متعلق مولانا عزیز الرحمٰن صاحب بجنوری تحریر فرماتے ہیں:

''کتاب (شرح ترمذی) کے سلسلے میں میں کیا عرض کرسکتا ہوں، ہاں اتنا ضرور عرض کروں گا کہ دارالعلوم دیوبند میں درسی اعتبار سے ہمیشہ ترمذی شریف کو ایک خاص مقام حاصل رہا ہے اور ہمیشہ اس کتاب کو دیوبند کے صدر مدرس ہی نے پڑھایا ہے۔ بڑی کمی رہتی اگر اس کتاب کی شرح نہ لکھی جاتی۔

یوں تو حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی تقریر ''العرف الشذی'' کے نام سے طبع ہوچکی ہے، لیکن اس کتاب کے حق کا مطالبہ کچھ اور ہی تھا جس کو حضرت علامہ رحمہ اللہ نے پورا کردیا، اور یہ ان کا حلقۂ دیوبند پر بہت بڑا احسان ہے، خدا کرے زیورِ طبع سے بہت جلد آراستہ ہوجائے۔''(۱)

جیسا کہ مولانا محمد نعیم صاحب نے اطلاع دی کہ بارہ سو صفحات پر یہ سلسلہ پھیل چکا ہے، انکی یہ خبر فروری ۱۹۶۲ء کی ہے۔اسکے بعد پانچ سال اور حضرت علامہ حیات رہے، مگر آخر کے چند سالوں میں ضعف وامراض اور دیگر مصروفیات نے آپکو گھیرے رکھا۔ان حواشی پر آپکی نظر ثانی مکمل نہ ہوسکی۔اور مزید جو اشارات ونشانات آئندہ ابواب کے متعلق لگائے تھے ان حوالوں کے مطابق متعلقہ کتابوں سے عبارات نقل کرانے میں کوئی خاص پیش رفت نہ ہوسکی، اور اس طرح یہ سلسلہ ناتمام ہی رہ گیا۔

آپ کے انتقال کے بعد وارثین کے پاس یہ کتاب ایک صندوقچے میں بند رکھی رہی، شروع میں بعض تاجران کتب نے کچھ دلچسپی بھی دکھائی مگر کام کے اہم، کثیر المصارف اور غیر مرتب ہونے کے سبب ہمت نہ کرسکے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ قریب دو سو صفحات جزوی طور پر کرم خوردہ ہیں جن سے مکمل انتفاع نہیں ہوسکتا۔ایسا لگتا ہے جیسے آخر عمر میں حضرت علامہ نے اس کتاب

(۱) ماہنامہ دارالعلوم مارچ ۱۹۶۷ء ص ۲۴

پر نظر ثانی کی تھی اس لئے کہ باریک قلم سے اضافوں اور بعض عبارات کی تنسیخ کا عمل اس کا مظہر ہے۔

اس تالیف کو طباعت کے مراحل تک جانے میں کئی دشواریوں کا سامنا ہے۔ جیسے کرم خوردہ صفحات سے مکمل عدم انتفاع، طولِ زمانہ کے سبب بعض مقامات پر سیاہی پھیکی پڑ گئی ہے، قریب سات سو صفحات ہی نظر ثانی کے عمل سے گذرے ہیں، ان حواشی کے حوالے الگ صفحات میں کچی پنسل سے درج ہیں جنکا سمجھنا ایک مسئلہ ہے، مزید برآں یہ کہ حدیث اور فقہ وفتاویٰ وغیرہ کی ضخیم ضخیم کتابوں کے حوالے ہیں جن کی طرف مراجعت کر کے ان کی تخریج وتحقیق کارے دارد، کہ اب اتنی جانفشانیوں کے نہ اہل علم عام طور پر عادی ہیں اور نہ ایسے حضرات کی کوئی قدر دانی ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ایک زرِ کثیر اس کی طباعت کے لئے درکار ہے اور مالی منفعت کی امید موہوم، اس لئے کہ طبیعتوں میں سہولت پسندی آ جانے کے سبب عربی شروحات وتالیفات کا تجارتی نقطۂ نظر سے زیادہ حوصلہ افزا نتیجہ نہیں ہے۔

کتاب کے متعلق احقر کی رائے اگرچہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ اس کتاب کی اہمیت وافادیت کے متعلق متعدد تذکروں میں عمدہ الفاظ لکھے گئے ہیں۔ جیسے تذکرۂ محدثین مؤلفہ مولانا احمد رضا صاحب بجنوری، علمائے دیوبند اور علم حدیث مؤلفہ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب قاسمی، تاریخ دار العلوم دیوبند مرتبہ مولانا سید محبوب رضوی صاحب، ماہنامہ دار العلوم مارچ ۱۹۶۸ء وغیرہ وغیرہ۔

احقر نے مذکورہ عربی شرح کے چیدہ چیدہ مقامات پر نظر ڈالی تو اپنی کم علمی وبے استعدادی کے باوجود جو سمجھ میں آیا اسکو مختصر الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے۔

''یہ کتاب قدیم مؤلفین کے طرز پر ہے۔ علمائے متقدمین، اسلافِ کرام اور اکابر دار العلوم کی تحقیقات کا سمندر ہے۔ اس میں جہاں تفسیر وحدیث اور فقہ وفتاویٰ کے قدیم مؤلفات اور علمائے محققین کی کتابوں سے بھرپور

استفادہ کیا گیا ہے وہیں حضرت شیخ الہند، حضرت گنگوہی اور علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہم اللہ تعالیٰ کے علوم وتحقیقات کا بھی قابل ذکر ذخیرہ ہے۔ کہیں کہیں حضرت علامہ کشمیریؒ کی آراء بھی بیان کی گئی ہیں۔ بہت سی جگہ حضرت علامہ نے آخر کلام کے طور پر قُلْتُ لکھ کر اپنی تحقیق ورائے کو بھی بلا تکلف ظاہر فرمایا ہے۔ غرض یہ کتاب ایک شاہکار تالیف ہے جس کے ورق ورق سے حضرت علامہ بلیاوی کا علمی تبحر، اسلامی علوم میں نبوغ ونفوذ اور جامعیت نمایاں ہے اور یہ ان کی علمی وتحقیقی جانفشانیوں، اندازِ تحقیق اور طرزِ تالیف کا عمدہ نمونہ ہے۔''

میں اس کتاب کی زیارت کے مشتاق حضرات کو محروم نہیں کرنا چاہتا، لہٰذا چند صفحات کو نقل کر کے ہدیۂ ناظرین کرتا ہوں۔ مسودہ کی دوسری کاپی سے حوالے نکال کر بھی اپنی تلاش وفہم کے مطابق ان کے اصل مقام پر درج کر دیئے ہیں، اگر درست ہوں تو فبہا (چونکہ اصل کتابوں کی طرف مراجعت نہیں کی) ورنہ صرف آم کھائیں پیڑ گننے کا کام دوسروں پر چھوڑ دیں۔

دل تو یہ چاہتا تھا کہ شروع ہی سے چند صفحات نقل کر دوں مگر حوالوں کی کاپی میں شروع کے قریب ۲۰ صفحات کے حوالے نہیں ہیں اس لئے شروع کے برکۃً صرف دو صفحے لئے ہیں اور باقی درمیان کتاب سے، کہ اصل تو اس عظیم الشان تاریخی کتاب کے جمع وتالیف کے طرز وانداز کا نمونہ ملاحظہ کرانا مقصود ہے۔

الحمد للّٰہ علی فضلہ العمیم والصلوۃ والسلام علی نبیہ الکریم وعلی اٰلہ واصحابہ ذوی الفضل الجسیم۔ امابعد:

(۱) **قولہ ابواب**: جمع باب بمعنی در فی الفارسیۃ ودروازہ فی الھندیۃ، قال الفاضل العینی فی شرحہ للبخاری۔ الباب اصلہ البوب قلبت الواو ألفا لتحرکھا والفتاح ماقبلھا و یجمع علی

ابـواب، وقـد قـالوا ابوبة والبابة الخصلة والبابات الوجوه، وقال ابن السكيت البابة عند العرب الوجه والمراد من الباب ههنا النوع كما فى قولهم من فتح بابا من العلم اى نوعا۔

اعـلـم ان الترمذى لم يصدر كتابه بالحمدللّٰه مع ورود كل امر ذى بـال لـم يبـدأ فيهـا بـالـحـمـد فهو اقطع او كما قال۔ و ليعلم ان حديث كل امر ذى بال الخ اضطر بت فيه الا لفاظ الواردة، بعضها بـاسـم الـلّٰـه وبـعـضهـا بـحـمـد اللّٰه و قال بعضهم التعارض وظن اختـلاف الالفاظ اختلاف الحديث والحال ان الحديث واحد و مع اضـطـراب كـلـمـاته حسنه الحافظ الشيخ ابو عمربن الصلاح وهو الشيـخ الامـام الـنـووى دقيق النظر واسع الاطلاع وليس صاحبه الـنـووى مثـلـه فـى الـحـديث۔ فالعمل بالحديث اما بصورة الجمع فيراد ذكراللّٰه ويؤيده ماوردفى رواية بذكر اللّٰه، واما يرجح اللفظ الاول لان اول مـانـزل مـن الـقـراٰن "اِقْـرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ" فالتا سى به يـحـصل بالشروع بالبسملة، وايضايؤيده افتتاح كتب رسول اللّٰه صـلـى الـلّٰـه عـليه وسلم الى الملوك وكتبهٗ فى القضايا بالبسلمة و بـالـجـمـلة فـلا ايـراد عـلـى الامـام الـتـرمـذى فى افتتاحـه الجامع بالتسمية دون التحميد۔ ۱۲

(۲) **قوله الطهارة الخ**: الطهارة يجوز ان تكون مصدر طهـر الـلازم فتكون للوصف القائم بالفاعل وان تكون مصدرطهر المتعدى فتكون للاثر القائم بالمفعول وان تكون اسم مصدر ككلم تـكـلـيـمـا، والـطهـارـة فـى الـلغة النظافة والتنزه عن الاقذار و فى الشرع النظافة من حدث اوخبث۔ ۱۲

(۳) **قوله عن رسول اللّٰه الخ**: فيه اشارة الىٰ ان المقصود الاصلى ايراد الروايات المرفوعة فاماما يذكر فيه من بيان المذاهب واحوال الرواة والروايات فتبع واستطراد لتأييده وايراثه بصيرة فيما هو البغية القصوى والغاية الاقصىٰ ولا يبعد ان يقال ان بيان المذاهب ايضا بيان للروايات غير ان المروى منه صلى اللّٰه عليه وسلم منه ماهو مذكور بلفظه الشريف صراحة ومنه مادل عليه كلامه دلالة واشارة فبيانه بيان لمعنى كلامه وان لم يكن بيان لفظه۔ انتهىٰ۔۱۲

(٤) **قوله لا تقبل الخ**: قال الاستاذ رحمه اللّٰه فى شرحه للمسلم، القبول فى الاصل معناه الاخذ يقابله الرد، وحاصل الحديث ان اللّٰه سبحانه وتعالىٰ لا يأخذ صلوٰة اهديت اليه بغير طهارة بل يردها الىٰ صاحبها فتبقى ذمته مشغولة بها غير فارغة عن المطالبة بها، و هذا القبول اى بمعنى الاخذ مطلقا ضد الرد هو المرادف لنفس صحةالعمل والموجب لفراغ الذمة الا انا نشاهد انه قد يكون اخذ الشيئ المطلوب بحيث يلوح عليه مخائل رضى الأخذ و التبشيش والسرور واسفا رالوجه وضحكه اليه وهو القبول الحسن الكامل من افراده، و قد يكون بحيث يصحبه شيئ من الكراهية والانقباض والتسخط والتكلح وعبس الوجه الا انه لا يرده وهو ادنىٰ درجات القبول فالمنفى فى حديث الباب هو نفس القبول المطلق الشامل لجميع افراده وهو ضد الرد، ودليل التخصيص مفتاح الصلوٰة الطهور الحديث واجماع الامة والمنفى فى امثال قوله عليه السلام من اتىٰ عرافلم تقبل له صلوٰة هو

بعض افراد القبول الذی سمیناه بالقبول الحسن اقتباسا من قوله عزوجل "فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ" وهو المثبت فی قول ابن عمر رضی اللّٰه عنهما لان تقبل لی صلوٰة واحدة احب الیّ من جمیع الدنیا لان اللّٰه تعالیٰ قال "اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ" و فی فیض الباری انعقد الاجماع علیٰ ان الطهارة شرط لصحة الصلوٰة نعم فی صلوٰة الجنازة وسجدة التلاوة اختلاف فعند البخاری عن ابن عمر رضی اللّٰه عنه ان یسجد ها علیٰ غیر وضوء الا ان فی الحاشیة للشیخ احمد علی السهارنفوری نقیضه انه کان یسجد ها علیٰ وضوء فترددفیه النظر ایضا اما فی صلٰوة الجنازة فقد ذهب بعضهم الیٰ جواز ها بدون طهارة ولعل الوجه عنده خفاء لفظ الصلٰوة فی صلوٰة الجنازة والخفاء انما یکون لنقص فی المسمی اوزیادة فیه فاذا نقص شیئ من المسمی او زادفیه یتردد فیه انه بقی داخلا فی مسماه اوخرج عنه کما قالوا فی الطرار والنباش ان لفظ السارق خفی فیهما وکذلك ههنا خفی اطلاق الصلٰوة علی صلوة الجنازة وسجدة التلاوة لمعنی النقص فیهما۔ اما سجدة التلاوة فظاهر واما صلوة الجنازة فلعدم اشتمالها علی الرکوع والسجود۔ وذهب الفقهاء الاربعة والجمهور الی انها داخلة فی مسمی الصلوة وسجدة التلاوة من اخص ارکان الصلوٰة فینبغی ان یشترط لها ما یشترط للصلوة، ومانسب الی مالك رحمه اللّٰه تعالیٰ من ان الصلوة بدون الطهور جائزة عنده فهو باطل کذا قالوا ولکن التحقیق ان الطهارة عن الحدث واجبة عند مالك واما الطهارة عن النجاسة فمختلف عنده فقیل بالوجوب و قیل بالسنیة۔

باب فی الماء البحر انه طهور

قوله فی ماء البحر الخ: قال محمدؒ فی المؤطا (۱) بعد ما اخرج حدیث الباب و بهذا ناخذ ماء البحر طهور کغیره من المیاه وهو قول ابی حنیفةؒ والعامة انتهیٰ، قال الشوکانی (۲) وبه قال جمیع العلماء الا ابن عبد البر وابن عمرو سعید ابن المسیب وروی مثل ذلک عن ابی هریرة و روایته ترده انتهیٰ۔

قوله رجل: قال الشوکانی(۳) انه قد وقع فی بعض الطرق ان اسمهٗ عبداللّٰه وکذا ساقه ابن ب شکوال باسناده واوردهٗ الطبرانی فیمن اسمهٗ عبد وتبعه ابو موسی الحافظ الاصبهانی فی کتاب معرفة الصحابة فقال عبد ابوزمعة البلوی الذی سأل النبی صلی اللّٰه علیه وسلم عن ماء البحر قال ابن منیع بلغنی ان اسمهٗ عبد و قیل اسمه عُبیدبالتصغیر وقال السمعانی فی الانساب اسمهٗ العرکی وغلط فی ذلک وانما العرکی وصف له وهوملاح السفینة انتهی۔۱۲

قوله البحر الخ: ای مراکبه من السفن و اختلف اهل اللغلة فی اشتقاق البحر فقیل سمی لسعته وقیل لشقة الارض لبسطه ابن رسلان والمراد به هناك المالح لانه المتوهم فیه لملاحته ومرارته ونتن ریحه انتهیٰ اوجز۔(٤)

قوله من الماء: ای العذب فیه حجة علی ان اعداد الماء الکافی للطهارة مع القدرة علیه غیر واجب لانه اخبروا انهم یحملون القلیل من الماء انتهیٰ اوجز۔(٥) وفی قوت المغتذی (٦) لفظ الحاکم والبیهقی

---

(۱) موطا لامام محمد ص۵۲ (۲) النیل ص۱۷ (۳) النیل ص۱٦ (٤) اوجز المسالك ج ۱ ص٤۸ (٥) اوجز المسالك ج ۱ ص٤۸ (٦) قوت المغتذی ج ۱ ص۹٦

فیحمل احدنا معه الاداوة وهو يرجو ان ياخذ الصيد قريبا فربما وجدهٗ كذلك، وربما لم يجد الصيد حتى يبلغ من البحر مكانا لم يظن ان يبغلهٗ فلعلهٗ يحتلم اويتوضأ فان اغتسل او توضأ بهذا الماء فلعل احدنا يهلكه العطش فهل ترى من ماء البحر ان تغتسل به او نتوضأ به اذا خفنا ذلك فقال اغتسلوا منه وتوضؤابه انتهىٰ۔ ۱۲

قوله افنتوضأ الخ: قال فى السعاية (۱) وانما ارتابو فى ماء البحر لمارأواتغيره فى اللون وملوحة الطعم وكان من المعقول عندهم من الطهور انه الماء المقصور على خلقته السليم نفسه الخالى من الاعراض المؤثرة فلذلك سألوا عن ماء البحر فاجابهم رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بانه طاهر مطهرانتهىٰ، قال الشوكا نى (۲) فان قيل لِمَ لم يجبهم بنعم حين قالوا افنتوضأ به، قلنا لانه يصيرمفيدا بحال الضرورة وليس كذلك وايضا فانه يفهم من الاقتصار على الجواب بنعم انه انما يتوضأ به فقط ولا يتطهر به لبقية الاحداث والانجاس وقيل منشاء السؤال موت الحيوانات فى البحر۔ ۱۲

قوله هو الطهور: اى المطهر لانهم سألوه عن تطهير مائه لا عن طهارته، قال الطيبى نقلا عن الزجاج (۳) ان الطهور هو الماء الذى يتطهر به ولا يجوز الا ان يكون طاهرا فى نفسه مطهرا لغيره لان عدولهم عن صيغة الفاعل الى فعول او فعيل لزيادة معنى لان اختلاف المبانى لاختلاف المعانى كما فى شاكر و شكور لكن زيادة الطهارة ليست بالنسبة الى طاهر آخر هو اطهر منه بل بالقياس الى مايتطهر به ففيه معنى

(۱) السعايۃ ج۱ ص۳۳٤ (۲) النيل ص۱۷ (۳) مرقات ج۱ ص۳٤٤

الطهارة والتطهير بخلاف طاهرانتهیٰ مرقاة۔ قال فی الاوجز (۱) ويشكل على الحديث ان المسند المحلى باللام ينحصر فيه المسند اليه كما هو المشهور عند اهل الفن واجيب بانه قديكون عكسه فينحصر المسند اليه فی المسند وهوالمقصودهناك ذكره على هذا النسق لشدة اهتمام وصف الطهورية انتهیٰ، قال على القارى الحصر فيه للمبالغة، وقال فی العرف (۲) اللام على الطهور ليس للقصر بل لتعريف المبتدأ بحال الخبر كماقال عبدالقاهر الجرجانی ان تعريف الخبر قد يكون ليعرف به المبتدأ مثل آية " أُولٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ" قال الشوكانی (۳) فان قيل كيف شكوا فی جوازالوضوء بماء البحر قلنا يحتمل انهم لما سمعوا قوله صلى الله عليه وسلم لا تركب البحر الا حاجاً اومعتمرًا اوغازياً فی سبيل الله فان تحت البحر نار او تحت النار بحر اخرجه ابوداؤد و سعيد بن منصور فی سننه عن ابن عمر مرفوعًا ظنوا انه لا يجزی التطهر به و قد روى مرفوعا على ابن عمر بلفظ ماء البحر لا يجزی من وضوء ولا جنابة ان تحت البحر نارٌ ثم ماء ثم نارٌ حتى عد سبعة البحر وسبع انيار وروى ايضاً عن ابن عمرو بن العاص انه لا يجزى التطهر به ولا حجة فی اقوال الصحابة لاسيما اذا عارضت المرفوع والاجماع۔ ۱۲

یہ ہے اس تاریخی اور بیش بہا شرحِ ترمذی کی ایک جھلک، اب ہم اس باب کے دوسرے حصہ کے تحت آپکی جسمانی یادگاروں کی تفصیل اور تعداد ہدیۂ ناظرین کرینگے۔

(۱) اوجز المسالك ج۱ ص۱۷ (۲) العرف الشذی ص٦٤ (۳) النيل ص ۱۷

اولاد واحفاد

اللہ تعالیٰ نے حضرت علامہ کی ''یادگارِ جسمانی'' میں بھی خوب برکت عطاء فرمائی آپ کی وفات کوتقریباً چھتیس سال کا عرصہ گذرا ہے اور آپ کی اولاد واحفاد کا شمار ایک سو پچاس سے زائد ہے۔ ہم چند حضرات کے اجمالی تعارف پر اکتفاء کرتے ہوئے بقیہ کے صرف اسماء وتعداد درج کریں گے۔

حضرت علامہ کے یہاں ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تولد ہوئے۔

(۱) مولانا قاری محمد نعمان صاحب (۲) بریرہ خاتون (۳) منیبہ خاتون (۴) صفیہ خاتون۔

❖ **مولانا قاری محمد نعمان صاحب:** آپ نے دارالعلوم سے فراغت حاصل کی اور تمام عمر دارالعلوم دیو بند سمیت متعدد دینی مدارس میں تعلیم وتدریس کے فرائض انجام دیئے۔ فن تجوید کلام پاک اور خوشنویسی میں آپ کو خصوصی مہارت حاصل تھی۔ رامپور کے مشہورِ زمانہ خطاط جناب سید احمد صاحب نے آپ سے خصوصی استفادہ فرمایا ہے۔ ۲۴ر رمضان ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱ر مئی ۱۹۸۸ء بروز بدھ وصال فرمایا، قبرستان قاسمی میں مدفون ہیں۔ آٹھ لڑکے اور دو لڑکیاں یادگار چھوڑیں۔

(۱) محمد عمران اختر (۲) محمد سلمان (۳) محمد حمران (۴) حافظ محمد عفان (۵) مولوی محمد غفران انور (۶) ڈاکٹر محمد عدنان قاسمی (۷) حافظ محمد حسان (۸) محمد سفیان (۹) حسانہ خاتون (۱۰) ریحانہ خاتون۔

حضرت علامہ کی تینوں صاحبزادیوں کی شادی مبارکپور اور مئو (اعظم گڑھ) میں ہوئیں۔

اولاد مولانا قاری محمد نعمان صاحب

❖ **جناب محمد عمران اختر صاحب:** ابتدائی دینی اور قرآن پاک کی تعلیم

حاصل کرنے کے بعد انٹرمیڈیٹ تک اسکولی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۵۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں محرر کی حیثیت سے مقرر ہوئے۔ انقلاب دارالعلوم ۱۹۸۲ء میں حضرت حکیم الاسلام کی رفاقت کو ترجیح دی اور دارالعلوم وقف کے شعبۂ تنظیم وترقی سے وابستہ ہوگئے۔ آج تک مصروفِ خدمت ہیں۔ ماشاء اللہ چھ بیٹیوں اور ایک بیٹے کے والد نامدار ہیں۔

(۱) ذکیہ غزالہ (۲) صبیحہ اختر [۱] (۳) فرزانہ خاتون [۲] (۴) فیروزہ خاتون (۵) فرحانہ اختر (۶) حنا کوثر (۷) ڈاکٹر وسیم ضیاء نعمانی۔

❖ **جناب محمد سلمان صاحب**: دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کی فضیلت سے سرفراز ہیں، ماشاء اللہ باوضع اور پرہیزگار آدمی ہیں۔ دارالعلوم کے شعبۂ تنظیم وترقی سے وابستہ ہیں۔ اہل علم وصاحبِ باطن حضرات سے منسلک رہنا اور پابندیٔ اوراد ووظائف انکا شیوہ ہے۔ چار لڑکے اور تین لڑکیاں اولاد میں شامل ہیں۔

(۱) سلمیٰ نگار (۲) مولوی محمد عثمان قاسمی (۳) ڈاکٹر شہاب رضوان (۴) محمد فوزان (۵) فوزیہ خاتون (۶) عرشیہ خاتون (۷) محمد سعدان۔

❖ **جناب محمد حمران صاحب**: قرآن پاک اور دینی تعلیم کے علاوہ انٹرمیڈیٹ تک تعلیم حاصل کی۔ دیوبند کے شوگرمل میں ملازمت کرتے ہیں، عادات واخلاق، خاندانی معلومات اورحسنِ گفتگو میں امتیاز رکھتے ہیں۔ خوبرو اور پرکشش شخصیت کے مالک ہیں۔ آٹھ لڑکے اور چار لڑکیاں ان کی اولاد میں شامل ہیں۔

(۱) محمد سہیل (۲) محمد شارب (۳) نائیلہ پروین (۴) محمد ثاقب

---

[۱] زوجہ راقم الحروف، چھ بچوں کی والدۂ محترمہ ہیں۔ (۱) زینب خاتون (۲) محمد عارف (۳) شبانہ خاتون (۴) شگفتہ یاسمین (۵) محمد عامر (۶) بشریٰ خاتون

[۲] دارالعلوم دیوبند کے فارسی کے مشہور استاذ اور حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کے خاص مجلس نشیں جناب ماسٹر احمد حسن خاں صاحب کے پوتے جناب ڈاکٹر اسلم علی خاں صاحب (محلّہ قلعہ دیوبند) کے عقد میں ہیں۔

(۵) صائمہ پروین (۶) حافظ محمد طارق (۷) محمد شہزاد (۸) محمد ریحان (۹) محمد شاکر (۱۰) محمد ناصر (۱۱) ناہیدہ پروین (۱۲) ضحیٰ پروین۔

❖ **جناب مولوی محمد غفران انور صاحب:** دارالعلوم سے فراغت کا شرف حاصل ہے۔ عمدہ کاتب ہیں اور یہی برسوں سے ذریعۂ معاش ہے۔ عمر کے قریب پچاس برس دیوبند میں گذار کر اب پچھلے پانچ سال سے مبارکپور (اعظم گڑھ) میں قیام پذیر ہیں۔ تین لڑکے اور تین لڑکیاں آپ کی اولاد ہیں۔

(۱) شاذیہ فردوس (۲) عمیر انور (۳) عزیر انور (۴) محمد ابراہیم (۵) عنبرین (۶) ثمرین۔

❖ **جناب حافظ محمد عفان صاحب:** حفظ قرآن پاک اور درجاتِ فارسی تک تعلیم حاصل کی۔ جے پور راجستھان میں ایک مدت سے فرائض امامت و تعلیم اطفال کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ چار بچوں کے والد محترم ہیں۔

(۱) محمد فیصل (۲) محمد طیب (۳) ثنا پروین (۴) حنا پروین

❖ **جناب حافظ محمد حسان صاحب:** دولتِ حفظِ قرآن کریم سے مالا مال ہیں۔ پیشۂ خیاطی کو ذریعۂ معاش بنائے ہوئے ہیں۔ نہایت کم گو اور خلوت پسند واقع ہوئے ہیں، دہلی میں قیام ہے۔ شادی نہیں کی، اس طرح دنیا کے بکھیڑوں سے آزاد اور چین کی نیند سوتے ہیں، اہل خانہ سے ملے ہوئے بھی کئی کئی سال گذر جاتے ہیں، اپنا ایک مخصوص مزاج رکھتے ہیں۔

❖ **ڈاکٹر محمد عدنان صاحب قاسمی:** دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جامعہ طبیہ دارالعلوم سے سند طب حاصل کی۔ دیوبند ہی میں مطب کرتے ہیں۔ لکھنے پڑھنے کا مزاج ہے، آواز کی عمدگی قدرت کی خصوصی دَین ہے، مجلسی مزاج کے مالک ہیں۔ حلقۂ احباب کافی وسیع ہے۔ ایک فرزند اور ایک دختر کے باپ ہیں۔

(۱) ذی شان (۲) صدف جہاں

❖ **جناب محمد سفیان صاحب (۱):** درجاتِ فارسی تک دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد فن کتابت کی طرف رجحان بڑھا جسکی تحصیل کی اور یہی اب ذریعۂ معاش ہے۔ راجستھان اردو اکیڈمی (جے پور) سے منسلک ہیں۔ چھوٹی اولاد ہونے کے سبب ناز و تنعم میں پلے بڑھے۔ عمدہ قد و قامت اور پرکشش شخصیت کے مالک ہیں، اندازِ رفتار و گفتار کسی شاہزادے سے کم نہیں، دیوبند میں کرکٹ کے مشہور کھلاڑی رہ چکے ہیں۔ تین پیارے بچوں کے والد ہیں۔

(۱) راحت عتیق (۲) فرحت جہاں (۳) محمد وجاہت

❖ **محترمہ حسانہ خاتون:** یہ حضرت قاری صاحب کی بڑی صاحبزادی ہیں، بلیا میں ڈاکٹر محمد ارشاد صاحب کے عقد میں ہیں۔ پانچ بچوں کی والدہ ہیں۔
(۱) محمد دانش (۲) محمد کاشف (۳) لبنیٰ (۴) فرحت جہاں (۵) گلناز خاتون

❖ **محترمہ ریحانہ خاتون:** یہ آپ کی دوسری صاحبزادی ہیں، ممتاز احمد خاں صاحب ان کے شوہر کا نام ہے، جن کا آبائی وطن ناہن (ہماچل پردیش) ہے۔ آج کل دہلی میں قیام پذیر ہیں۔ دو لڑکے اور ایک لڑکی ان کی اولاد ہیں۔ (۱) محمد یوسف (۲) محمد یونس (۳) فرح ناز

❖ حضرت علامہ کی صاحبزادی محترمہ بریرہ خاتون کا نکاح مبارک پور کے حاجی عبدالرشید صاحب سے ہوا، آپکی دس اولادیں ہوئیں۔

(۱) شوکت جہاں (۲) محمد راشد (۳) صغیر اجمل (۴) احتشام حسین (۵) سلیمہ خاتون (۶) صائمہ خاتون (۷) خورشیدہ خاتون (۸) نیلوفر جہاں (۹) نائلہ خاتون (۱۰) ایک لڑکی کا انتقال بچپن میں ہو چکا ہے۔ اور اب ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی تعداد پچاس سے متجاوز ہے۔

---

(۱) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے خاص احباب میں شامل منشی نہال احمد صدیقی کے نواسے اور مولانا ظفر احمد تھانوی کے بھانجے جناب نثار احمد صدیقی (دیوبند) کی صاحبزادی آپ کے عقد میں ہیں۔

❖ اسی طرح دوسری صاحبزادی محترمہ منیبہ خاتون کا نکاح مبارک پور کے جناب عبدالرؤف صاحب سے ہوا، ان کی بارہ اولادیں ہوئیں۔

(۱) شکیل احمد (۲) عقیل احمد (۳) کفیل احمد (۴) جمیل احمد (۵) جلیل احمد (۶) نبیل احمد (۷) افروز جہاں (۸) تبسم جہاں (۹) ترنم جہاں۔ ان کے علاوہ دو لڑکے اور ایک لڑکی بچپن میں ہی فوت ہو چکے ہیں۔ اب پچیس سے زائد افرادِ اولاد پر مشتمل خاندان کی سرپرست ہیں۔

❖ آپ کی تیسری صاحبزادی محترمہ صفیہ خاتون کا نکاح بلیا میں جناب امانت اللہ صاحب سے ہوا، یہ محترمہ اس دارِ فانی سے رخصت ہوچکیں۔ آپ کے یہاں سات اولادیں ہوئیں۔

(۱) منت اللہ (۲) طاہرہ خاتون (۳) شمیمہ خاتون (۴) شاہدہ خاتون (۵) نجمہ خاتون (۶) خالدہ خاتون (۷) رخسانہ خاتون۔ اب ان کی اولاد بھی تیس سے زائد افراد پر مشتمل ہے۔ یہ سب حضرات ضلع اعظم گڑھ اور مئو کے مختلف مقامات میں رہائش رکھتے ہیں۔

خاتمہ

اس تذکرہ میں ایک تشنگی اور خلاء محسوس ہوتا ہے وہ یہ کہ حضرت علامہ کے شاگردوں کے اسماء اور ان کی تفصیل نہیں آسکی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ان حضرات کی فہرست مرتب کی جائے تو بلا مبالغہ کئی صفحات اس کی نذر ہو جائیں گے اور ممکن ہے کہ عدم معلومات کے سبب بہت سے حضرات احاطۂ تحریر میں نہ آسکیں۔ بزرگوں پر لکھی ہوئی کتابیں عام طور پر دستاویز بن جایا کرتی ہیں، ایسے میں اگر کسی قابل ذکر اور معروف شخصیت کا نام درج ہونے سے رہ گیا تو یہ بہت ہی غیر ذمہ دارانہ بات ہوگی۔ علالت و وفات کے باب میں بہت سی معروف شخصیات کے خطوط درج ہیں، جن میں ان حضرات نے خود حضرت علامہ سے تعلقِ تلمذ کو ذکر کیا ہے، اس کے

علاوہ ابھی موجود حضرات میں ایک معتد بہ تعداد ایسے علماء کی ہے جو حضرت علامہ سے شرفِ تلمذ رکھتے ہیں۔ بس یوں سمجھ لئے کہ حضرت علامہ نے ۱۳۳۱ھ سے دارالعلوم میں تدریس کی خدمت انجام دینی شروع کی، اور درمیان میں قریب پانچ سال کا عرصہ ایسا ہے جس میں آپ دارالعلوم سے باہر رہے، یعنی قریب پچاس سال آپ دارالعلوم سے وابستہ رہے، اس دوران کے تقریباً تمام ہی طالبین اور فارغین دارالعلوم نے آپ سے تحصیل فرمائی، اور ۱۳۵۰ھ میں آپ کے پاس مسلم شریف آئی، تو گویا سنِ مذکور سے لے کر آخر حیات تک کے فارغین دارالعلوم دورۂ حدیث میں آپ کی شاگردی میں رہے، اس مدت میں سے ۱۳۶۲ھ تا ۱۳۶۶ھ کے درمیان کا عرصہ مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے، لیکن شاگرد وہ حضرات بھی ہوں گے چونکہ انھوں نے نیچے کے درجات میں علامہ سے کوئی نہ کوئی کتاب ضرور پڑھی ہوگی۔

بہر حال جس وقت حضرت علامہ کا انتقال ہوا، اس وقت مجلس شوریٰ میں بھی تقریباً سبھی حضرات آپ کے شاگرد تھے، اور دارالعلوم اور اس کے ہم مشرب اداروں میں سے شاید ہی کوئی ادارہ ایسا ہو جس کے اصحابِ تدریس میں حضرت علامہ کے شاگرد یا شاگردوں کے شاگرد نہ ہوں۔ غالباً کتاب میں کسی جگہ یہ آیا ہے کہ حضرت علامہ کے شاگردوں کی تعداد پانچ ہزار سے متجاوز ہے۔

اسی پر میں اپنی اس تحریر کو ختم کرتا ہوں۔ اہل علم اور واقفِ حال حضرات سے امید رکھتا ہوں کہ وہ مضمون کی ترتیب اور اندازِ تحریر کی خامیوں سے صرفِ نظر فرماتے ہوئے اصل مقصد پر نگاہ رکھیں اور اس بارے میں اگر کوئی کوتاہی اور حالات و واقعات میں کوئی قابل اصلاح امر پائیں تو براہِ کرم ناچیز کو مطلع فرمائیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی وضاحت ہو سکے۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔